﷽

# پہلا ہفتہ :عقیدہ توحید

توحید کالغوی معنی

لفظ توحید کا مادہ ہے'' و،ح، د''اس کا لغوی معنیٰ ہے واحد ماننا ،ایک جاننا، یکتا تسلیم کرنا

توحید کا اصطلاحی معنی

شریعت کی اصطلاح میں توحید سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے، صفات کے اعتبار سےاورافعال کے اعتبار سے یکتا و بے مثل ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، کوئی اس کےبرابر یا ہم پلہ نہیں ۔

وہی سب کا خالق ہے وہی سب کا مالک ہے وہی سب کا رازق ہےوہی معبودبر حق ہے اسی کی ذات کوسجدہ رواہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔

 امام ابو جعفر الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ ( 321ھ) عقیدہ توحید کی تشریح کرتے ہوئے اس کے شرعی و اصطلاحی مفہوم کو بیان کرتے ہیں

’ہم اللہ رب العزت کی توحید پر اعتقاد رکھتے ہوئے اُسی کی توفیق سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا و یگانہ ہے اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، کوئی شے اُس کی مثل نہیں اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو کمزور اور عاجز نہیں کر سکتی، اُس کے سواء کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ وہ قدیم ہے جس کے وجود کے لئے کوئی ابتداء نہیں، وہ زندہ جاوید ہے جس کے وجود کے لئے کوئی انتہاء نہیں۔ اُس کی ذات کو فنا اور زوال نہیں۔ اُس کے ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اُس کی حقیقت فکرِ اِنسانی کی رسائی سے بلند ہے اور اِنسانی عقل و فہم اُس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اس کی مخلوق کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں ہے۔ وہ ازل سے زندہ ہے جس پر کبھی موت وارد نہیں ہوگی اور ہمیشہ سے قائم رہنے والا ہے جو نیند سے پاک ہے۔ وہ بغیر کسی حاجت کے خالق ہے، وہ بغیر کسی محنت کے رازق ہے۔ بغیر کسی خوف و خطر کے وہ موت دینے والا ہے۔ وہ بغیر کسی مشقت کے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ہی اپنی صفاتِ کاملہ سے متصف تھا۔ اُس نے مخلوق کے وجود سے کوئی ایسی صفت حاصل نہیں کی جو اُسے پہلے سے حاصل نہ تھی۔ جس طرح ازل میں وہ صفاتِ اُلوہیت سے متصف تھا اُسی طرح ابد تک بلاکم و کاست اِن سے متصف رہے گا۔ اُس نے اپنے لئے خالق اور باری کا نام مخلوقات اور کائنات کی پیدائش کے بعد حاصل نہیں کیا۔ ربوبیت اللہ تعالیٰ کی اُس وقت بھی صفت تھی جب کوئی مربوب یعنی پرورش پانے والا نہ تھا اور اُسے خالق کی صفت اُس وقت بھی حاصل تھی جب کسی مخلوق کا وجود ہی نہ تھا۔

 وکما انهُ محی الموتٰی بعد ما احيا استحق هذا الإسم قبل احيائهم کذالک استحق اسم الخالق قبل انشائهم.

جس طرح وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا انہیں زندہ کرنے کے بعد کہلایا حالانکہ وہ انہیں زندہ کرنے سے پہلے بھی اِس نام کا مستحق تھا اِسی طرح مخلوق کی ایجاد سے پہلے بھی وہ خالق کے نام کا مستحق تھا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، ہر چیز اُس کی محتاج ہے، ہر امر کا کرنا اس پر آسان ہے اور وہ خود کسی کا محتاج نہیں، اُس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اُس نے مخلوق کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا ہے، اُس نے مخلوق کے لئے ہر ضروری چیز کا اندازہ اور مقدار پہلے سے مقرر اور متعین کر دی ہے اور اُس نے اُن کی موت کے اوقات مقرر کر دئیے ہیں۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اُس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں تھی، اُسے ان کی تخلیق سے قبل ہی علم تھا کہ یہ لوگ (پیدا ہونے کے بعد) کیا کریں گے۔ اُس نے انہیں اپنی اطاعت کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی و سرکشی سے منع کیا۔ ہر چیز اُس کی مشیت اور تقدیر کے مطابق چلتی ہے اور اسی کی مشیت و ارادہ نافذ ہوتا ہے۔ بندوں کی (اپنی) کوئی مشیت و ارادہ نہیں ہوتا مگر جو وہ ان کے لئے چاہے پس جو وہ ان کے لئے چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے نہیں ہوتا۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل سے ہدایت کی توفیق دیتا ہے، نافرمانی سے بچاتا ہے اور معاف کرتا ہے، اور وہ جسے چاہے اپنے عدل کی بناء پر گمراہ کرتا ہے، رسوا ٹھہراتا ہے اور عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ تمام لوگ اُس کی مشیت کے اندر اُس کے فضل اور عدل کے درمیان گردش کرتے رہتے ہیں۔ نہ کوئی اُس کا مدِّمقابل ہے اور نہ کوئی شریک۔ اُس کے فیصلہ کو کوئی رد کرنے والا نہیں، اُس کے حکم کے آگے کوئی پس و پیش کرنے والا نہیں اور کوئی اس کے امر پر غالب آنے والا نہیں۔ ہم اِن تمام باتوں پر ایمان لا چکے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اُس کی طرف سے ہے۔‘‘

قرآنی دلائل

﷽

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌo اَﷲُالصَّمَدُo لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْo وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌo

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا  
(1) تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے  
(2) اللہ بے نیاز ہے  
(3) نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا  
(4) اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی

خبر دینے والے رسول نے خالق کی خبر دی

ایمان کے باب میں سب سے پہلے رسول اﷲ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قابلِ اعتماد ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس لئے لوگوں کو اﷲ کے واحدہونے کی خبر دینے سے پہلے وسیلہِ رسالت اور واسطہِ نبوت پر ایمان لانے کے لئے کہا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلمہِ توحید کا اعلان کروایا گیا۔ چنانچہ جب لوگوں کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اور اعتماد قائم ہو گیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اﷲ کے ایک ہونے کی خبر انہیں پہنچائی۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ، وسیلہ اور واسطہ سے اﷲ کو ایک مان لیا وہ مؤمن ہو گئے اور جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہ مانی وہ کافر قرار پائے۔ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کے ذریعے ہی ایمان باﷲ ممکن ہے۔ اس لئے ہر اہلِ ایمان کا عقیدہ یہی ہونا چاہئے کہ ایمان باﷲ خود وسیلہِ رسالت مآبﷺ کا طالب ہے۔

**لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ**

ترجمہ: سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جائے اور ہر ایک ، ایک گھیرے میں پیر رہا ہے ،

**وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ**

ترجمہ: اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں ،

عقلی دلائل

1-علم الاعداد کے ذریعے سے۔2-شہتوت کے پودے سے۔3-امام اعظم کی مثال۔4-انقطاع اسباب ذات الٰہ کاپتہ دیتے ہیں۔5-ایک چیز بیک وقت ایک جہت میں چلے گی۔6-اول آخر میں کھجور کی گٹھلی کی مثال۔

عقیدہ توحید کے اثرات

# دوسرا ہفتہ :عبادت اور تعظیم میں فرق

الہ کسے کہتے ہیں

لفظ الہ کا لغوی معنی

انتہائی بلندی ،یا،حیرانی ،ہے

لفظ الہ کا اصطلاحی معنی

الہ وہ جو انتہائی بلند و برترہو یا جس کی ذات یا صفات میں مخلوق کی عقل حیران رہ جائے قرآن کی اصطلاح میں الہ بمعنی مستحق عبادت ہے یعنی معبود ،جہاں کہیں الہ آئے اس کے معنی معبود ہوں گے -لاالہ، نہیں ہے کوئی مستحق عبادت،الا اللہ، خدا کے سوا، مستحق عبادت وہ جس میں یہ صفات ہوں پیدا کرنا،رزق،  زندگی، موت کا مالک ہونا، خود مخلوق کی صفات سے پاک ہونا، جیسے کھانا ،پینا ،مرنا،سونا، مخلوق ہونا،کسی عیب کا حامل ہونا وغیرہ دانا غیب، مطلق ہونا ،عالم کا مالک حقیقی ہونا، وغیرہ (علم القرآن)

اب عبادت اورتعظیم کا معنی سمجھنے میں آسانی رہے گی

عبادت کا لغوی

معنی خضوع کے ساتھ اطاعت کرنا،عبادت عجز و نیاز کی اِنتہائی کیفیت اور تعظیم کی آخری حد ہے

عبادت کا اصطلاحی معنی

عبادت ایک ایسا فعل ہے جو اﷲتعالیٰ نے صرف اور صرف اپنی غایتِ تعظیم کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بندے کی طرف سے انتہا درجے کی تعظیم جو اﷲتعالیٰ کے لئے ہو سکتی ہے وہ صرف عبادت کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی تعظیم کی اس حد کو نہیں پہنچ سکتا۔ اﷲ تعالیٰ کی ہستی بلند ترین ہے جبکہ مخلوق عبادت گزاری کے اعتبار سے اس کے سامنے جبین نیاز جھکاتی ہے۔ عبادت بندے کی طرف سے اس عظیم ترین ذات کے لئے غایت درجہ ادب و تعظیم، خاکساری اور عجزو تذلل کی آئینہ دار ہے۔ عبد اور معبود کی ان دونوں انتہائوں کے مابین رابطہ و تعلق پیدا کرنے والی چیز صرف عبادت ہے، یہ چیز اس امر کی متقاضی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اِس لائق ہے کہ اسی کی عبادت و پرستش کی جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور یہ حق نہیں رکھتا ۔

عقائد کا علم رکھنے والے علماء کا نظریہ**.**

’’ **هو استحقاقُه سبحانه وتعالی أن يُعبَد وحدَه لا شريکَ له**

1-یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا خصوصی استحقاق ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

’’-2توحیدِ اُلوہیت (عبادت)سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا تمام ظاہری و باطنی قولی اور فعلی جملہ عبادات میں یکتا ہونا۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ ہر ایک چیز کی عبادت کی نفی کی جائے۔

ائمہِ تفسیر کانظریہ

‘‘ائمہِ تفسیر نے عجز و تذلل اور انکسار کی بلند ترین کیفیت اور تعظیم کی آخری حد کو عبادت قرار دیاہے۔

پس عبادت کے لئے ضروری ہے کہ اس عمل میں عاجزی و انکساری کی بلند ترین کیفیت کے ساتھ تعظیم کا انتہائی درجہ شامل ہو۔ اس کے علاوہ ایسے عمل کو جو اس سے کم تر درجے میں ہو اُسے عبادت تصور نہیں کیا جا سکتا۔ خضوع و تذلل کی بہت سی صورتیں اور درجات ہیں لیکن عبادت عاجزی و انکساری کا بلند ترین درجہ ہے۔

حسن عبادت کی مثال

**قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ**

بے شک مراد کو پہونچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑ گڑاتے ہیں

حالت نماز میں بندہ اپنے آپ کو اپنے مالک و معبود کی بارگاہ میں انتہائی عاجزی اور انکساری سے  پیش کرتاہے اپنی پیشانی خاک پر رکھ کر پھر اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ سبحان ربی الاعلی یہی عبادت کا حسن ہے

عبادت کی بنیادی شرط

عبادت کی سب سے بنیادی شرط یہ ہےکہ جو شخص عبادت کرنے لگا ہو وہ اپنے معبود کو الہ اور خود کو اس کا بندہ جانے یہ سمجھ کر جو شخص بھی اپنے معبود کی تعظیم کرے گا تو وہ عبادت شمار ہوگی اور اگرکوئی شخص کسی کو اپنا معبودسمجھے بغیرفقط اس کی تعظیم کرتا ہے  بلکہ جس کی وہ تعظیم کر رہا ہے اسے اپنا نبی اپنا باپ یا اپنا استاد سمجھتا ہے تو یہ عبادت تصور نہیں ہوگی یعنی یہ بات بالکل واضح ہے کہ تعظیم اور عبادت میں فرق ہے عبادت فقط اللہ تعالی کی ہو سکتی ہے تعظیم اس کی مخلوق کی بھی کی جاسکتی ہے جیسا کہ انبیائے کرام اولیائے کرام والدین اور دوسرے مومن مسلمانوں کی تعظیم کرنا کیونکہ ان میں سے کسی کو بھی کوئی مسلمان معبود سمجھ کر ان کی تعظیم نہیں کرتا بلکہ انہیں اللہ تعالی کی مخلوق سمجھ کر ان کے مراتب کی بلندی کی وجہ سے ان کی تعظیم و توقیر بجالاتا ہے یہ بات ہمیں اپنے ذہنوں میں راسخ کرلینی چاہیے کہ عبادت اور ہے اور تعظیم اورہےلہذا ہر تعظیم عبادت نہیں ہوتی اور ہرعبادت تعظیم کا آخری درجہ ہوتی ہے

شبہ کا ازالہ

اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال ہو کہ کسی کو مافوق الاسباب مان کر اس کی تعظیم کرنا عبادت ہے اور یہ بات شرک ہے

یہ اعتراض غلط ہے فرشتے مافوق الاسباب تصرف کرتے ہیں یہ ماں کے پیٹ میں بچے بناتے ہیں بارش برساتے ہیں عذاب الہی لاتے ہیں یہ جان نکالتے ہیں اس طرح اگر کوئی شخص فرشتوں کی تعظیم کرے گا تو کیا وہ عبادت شمار ہوگی اسی طرح انبیائے کرام کے معجزات وہ بھی مافوق الاسباب اپنے معجزات کا اظہار فرماتے ہیں مثلا سورج کو واپس لانا پتھروں سے کلمہ پڑھانا چیونٹی کی آواز کو دور سے سننامردوں کو زندہ کرنا مافوق الاسباب ہے تو کیاانبیاء کی تعظیم کرنا عبادت ٹھہرے گا بالکل نہیں سارے مسلمان انہیں اللہ تعالی کا بندہ مان کر ان سے مدد طلب کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ اذن الہی کے ساتھ ہماری مدد کرتے ہیں اور یہ سب کے سب اللہ کے بندے ہیں لہذا ان کی تعظیم کسی صورت میں بھی عبادت نہیں ہو سکتی

تعظیم

تعظیم کا لغوی معنیٰ

شان و شوکت، وقار، بڑائی اور اہمیت، بڑا ہونا، کسی چیز کا بڑا حصہ ،بڑا اہم کام

تعظیم کا مادہ ہے

ع،ظ،م

تعظیم کا اصطلاحی معنی

اَنبیائے کرام، صالحینِ عظام، والدین، شیوخ، اساتذہ یا کسی اور معزز ہستی کی عزت و توقیر،ان کا ادب و احترام ،ان کی فرمان برداری، تعمیلِ ارشاد اور ان سے منسوب اشیاء کی حرمت وتکریم ان کی تعظیم ہے۔ چونکہ یہ عمل درجہِ عبادت یعنی عاجزی و تذلّل اور عجز و انکساری کی آخری حد سے کم تر اور فروتر ہوتا ہے اور اس کی نوعیت بھی عمومی ہوتی ہے اس لئے عبادت کے زمرے میں نہیں آتا اور شرعی حوالے سے یہ ایک جائز امر ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ کو ئی بھی راسخ العقیدہ مسلمان اللہ تعا لیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم عبادت کی نیت سے ہر گز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے افعال جو بزرگوں کی تعظیم پر مبنی ہوں وہ اسلامی تعلیمات کی تعمیل ہے۔ یہ شرک کے دائرے میں ہرگز نہیں آتے اِس لئے کہ وہ توحید سے کسی طرح بھی متعارض و متصادم نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی عزت و توقیر وتعظیم کے حوالے سے قرآنی آیات ملاحظہ کریں

**فَالَّذِينَ آمَنُواْ بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُواْ النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَo**

تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی با مراد ہوئے ،

**إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًاo لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا**

بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو

**وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ**

بات یہ ہے ، اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے

**يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ**

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ مثلاً کھانے کے لیے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ بیشک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا،

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ**

اے ایمان والونہ آگے بڑھواللہ اور اسکے رسول سےاور اللہ سےڈرتے رہو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل سے پہلے کسی کام کے کرنے کی اجازت نہیں اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صورت میں بھی مقدم نہ رکھیں

حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ادب اور تعظیم کی اس سے بڑھ کر اور مثال کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالی نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عمل سے پہلے کسی کو پیش قدمی کرنے سے منع کر دینا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزت ووقار کی سب سے بڑی علامت ہے لہذا تعظیم اور توقیر کے اعتبار سے شان نبوت اور شان رسالت کا خدا کے بعد نہایت بلند درجہ ہے

قرآنِ حکیم میں ادب و احترام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں تعظیم کے ساتھ توقیر کا لفظ بھی استعمال ہواہے جسکا معنی اہلِ علم کے نزدیک ادب واحترام کی وہ کیفیت ہے جہاں تعظیم کرنے والا ممدوح کی عظمت و شان کا خوب چرچا کرے۔تعظیم و توقیر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کے درخت کی جڑ ہے۔ ایمان کی تکمیل مٹھاس اور اس میں چاشنی کاانحصار تعظیم و توقیر نبوت کے ساتھ مشروط ہے۔

لغوی اعتبار سے ’وقر‘ کے معانی میں سے ایک معنی ’کان کا بہرا ہونا‘ بھی ہے اور ’سنجیدگی‘ کا معنی بھی اس کے اندر پایا جاتا ہے تو گویا اس اعتبار سے توقیر، تعظیم کا ایسا بلند درجہ ہے جہاں کوئی شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں اس قدر سنجیدہ ہو جائے کہ اس کی زبان پر ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی تعریف ہو، اس کے دل و دماغ میں کسی بھی قسم کی بے ادبی و گستاخی کا شائبہ تک نہ ہو اور اس کے کان ہر عیب سننے سے بہرہ ہو جائیں۔

نبی کا کردار بے داغ ہوتا ہے۔ وہ ایسے انسان کامل ہوتےہیں۔ جو بے حدروحانی طاقت کے مالک ہوتے ہیں۔ نبی کا کوئی کام نفسانی خواہشات کے تابع نہیں ہوتا۔بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر معصوم اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ان کے اقوال اور اعمال شیطان کے عمل دخل سے محفوظ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نےآپﷺکی ذات کو جامع کمالات بنایا ہےاللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کرام کو جو کمالات علیحدہ علیحدہ عطا فرمائے تھے، نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں وہ تمام شامل کر دیئے۔

# تیسرا ہفتہ عقیدہ رسالت

اسلام کے سلسلہ عقائد میں توحید کے بعد رسالت کا درجہ ہے۔

رسالت کا لغوی معنی

رسالت کے لغوی معنی "پیغام پہنچانا " ہیں رسول کامعنی ہے قاصد، ،پیغام پہنچانے والا،پیغمبر، (خدا کی طرف سےبھیجا ہوا)

رسالت کااصطلاحی معنی

اسلامی اصطلاح میں رسول اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہو۔یاد رہے پیغام پہنچانے والے کو رسول کہا جاتا ہے ۔رسول کو نبی بھی کہا جاتا ہے۔

نبی کا لغوی معنی

لفظ نبی کا لغوی معنی ہیں "غیب کی خبر دینے والا"

نبی کااصطلاحی معنی

نبی کا اصطلاحی معنی ہے اللہ تعالٰی کا مبعوث کردہ وہ پیغمبر جو غیب کی خبر یں اللہ کے حکم سے اللہ کی مخلوق کو دے

نبی اور رسول میں فرق

رسول صاحب شریعت اور نبی غیر صاحب شریعت کو کہتے ہیں ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔کیونکہ رسالت نبوت سے بڑا عہدہ ہےلہذارسول لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے آگاہ کرتا ہے اس لیے اسے نبی بھی کہا جاتا ہے۔

انبیاء اور رسول اپنے معاشرے کے بے حد نیک اور متقی انسان ہوتے ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنے احکام نازل فرماتا ہے۔

وحی کا لغوی معنی اور اصطلاحی معنی

وحی کے لغوی معنی چپکے سے کوئی بات دل میں ڈالنا،اور اشارہ کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح اسلامی میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام ہے جو اس نے اپنے کسی رسول یا نبی کی طرف فرشتے کے ذریعے نازل کیا ۔  
وحی کی دو قسمیں ہیں1:وحی متلو2:وحی غیر متلو

1-وحی متلو ایسی وحی کو کہتے ہیں جس کی تلاوت کی جائے اس کا دوسرا نام وحی جلی ہے جیسے قرآن مجید

2-وحی غیر متلو ایسی وحی کو کہتے ہیں جس کی تلاوت نہ کی جائے اس کا دوسرا نام وحی خفی ہے جیسے حدیث شریف

وحی کے نزول کےطریقے

سات طریقے ہیں 1: پردے کے پیچھے سے کوئی بات سنوا دینا ۔2:کسی فرشتے کے ذریعے۔3:جبریل علیہ السلام کے ذریعے

4:خواب کی صورت میں مطلع فرما دینا۔5: کوئی بات ان کےدل میں ڈال دینا۔6: یا براہ راست کلام کرنا۔7: صلصلۃ الجرس (گھنٹی کی آواز)کی صورت میں

ہر امت کی طرف رسول بھیجے گئے **وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا**

ترجمہ: اور بیشک ہر امت میں ہم نے ایک رسول بھیجا

انبیاء کرام کی بعثت کا بنیادی مقصد یہ ہےکہ لوگ ان کی پیروی کرکےاپنی دنیا اورآخرت سنوار سکیں

# چوتھا ہفتہ خصائص انبیاء بزبان مصطفیﷺ

کلیم وحبیب

حدیث نمبر1.

عَنْ کَعْبٍ رضی الله عنه قَالَ: إِنَّ اﷲَ قَسَّمَ رُؤْيَتَهُ وَکَـلَامَهُ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَمُوْسَی عليهما السلام. فَکَلَّمَ مُوْسَی عليه السلام مَرَّتَيْنِ وَرَآهُ مُحَمَّدٌ صلی الله عليه واله وسلم مَرَّتَيْنِ’’

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک اﷲ تعالیٰ نے اپنی رؤیت (دیدار) اور اپنے کلام کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم فرمایا۔ پس اﷲ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ کلام فرمایا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اﷲ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔

کلیم وخلیل

حدیث نمبر02

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي اﷲ عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اﷲِ صلی الله عليه واله وسلم: إِنَّ اﷲَ اصْطَفَی مُوْسَی بِالْکَلَامِ وَإِبْرَاهِيْمَ بِالْخُلَّةِ.

’’حضرت عبداﷲ بن عباس رضی اﷲ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: بے شک اﷲ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ ہم کلام ہونے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی دوستی کے لئے چنا۔‘‘

امت محمدیﷺ گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔

حدیث نمبر3

عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ رضی الله عنه : أَنَّ رَسُوْلَ اﷲِ صلی الله عليه واله وسلم قَالَ: نَحْنُ الْآخِرُوْنَ، وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَإِنِّي قَائِلٌ قَوْلًا غَيْرَ فَخْرٍ: إِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اﷲِ، وَمُوْسَی صَفِيُّ اﷲِ، وَأَنَا حَبِيْبُ اﷲِ، وَمَعِي لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّ اﷲَ ل وَعَدَنِي فِي أُمَّتِي، وَأَجَارَهُمْ مِنْ ثَـلَاثٍ: لَا يَعُمُّهُمْ بِسَنَةٍ، وَلَا يَسْتَأْصِلُهُمْ عَدُوٌّ، وَلَا يَجْمَعُهُمْ عَلَی ضَلاَلةٍ.

’حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ہم آخر میں آنے والے اور قیامت کے دن سب سے آگے ہونے والے ہیں۔ میں بغیر کسی فخر کے یہ بات کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام صفی اللہ ہیں اور میں حبیب اللہ ہوں۔ قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہو گا۔ اللہ تعالی نے مجھ سے میری امت کے متعلق وعدہ کر رکھا ہے اور تین باتوں سے اسے (امت کو) بچایا ہے۔ ایسا قحط ان پر نہیں آئے گا جو پوری امت کا احاطہ کر لے اور کوئی دشمن اسے جڑ سے نہیں اکھاڑ سکے گا اور (اللہ تعالیٰ) انہیں گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان (بعض کو بعض پر) فضیلت مت دو

حدیث نمبر4

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رضی الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صلی الله عليه واله وسلم قَالَ: لَا تُخَيِّرُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان (بعض کو بعض پر) فضیلت مت دو۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں

حدیث نمبر5

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ رضی الله عنه يَقُولُ: إِنَّ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ ثُمَّ قَرَأَ: {إِنِّي أَرَی فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُکَ.

’’حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں پھر یہ آیت پڑھی: ’’پس خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔

شبِ معراج انبیاء کرام علیہم السلام کا دیکھنا

حدیث نمبر6

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي اﷲ عنهما قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی الله عليه واله وسلم : رَأَيْتُ عِيْسَی وَمُوسَی، وَإِبْرَاهِيْمَ فَأَمَّا عِيْسَی فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ وَأَمَّا مُوسَی فَآدَمُ جَسِيْمٌ سَبْطٌ کَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ الزُّطِّ

حضرت عبداﷲ بن عمر رضی اﷲ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: (شبِ معراج) میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو سرخ رنگ، گھنگریالے بالوں اور چوڑے سینے والے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ اور سیدھے بالوں والے تھے گویا قبیلہ زط کے فرد ہیں۔‘‘

سب سے زیادہ سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے؟

حدیث نمبر7

عَنْ سَعْدٍ رضی الله عنه، قَالَ: قُلْتُ:يَا رَسُولَ اﷲِ، أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَـلَاءً؟ قَالَ: الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ فَيُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلَی حَسْبِ دِيْنِهِ فَإِنْ کَانَ دِيْنُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَـلَاؤُهُ. وَإِنْ کَانَ فِي دِيْنِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَی حَسْبِ دِيْنِهِ فَمَا يَبْرَحُ الْبَـلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّی يَتْرُکَهُ يَمْشِي عَلَی الْأَرْضِ مَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اﷲ، لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کرام علیہم السلام کی، پھر درجہ بدرجہ مقربین کی۔ آدمی کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر دین میں مضبوط ہو تو سخت آزمائش ہوتی ہے۔ اگر دین میں کمزور ہو تو حسبِ دین آزمائش کی جاتی ہے۔ بندے کے ساتھ یہ آزمائشیں ہمیشہ رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ زمین پر اس طرح چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا

حدیث نمبر8

قَالَ: إِنَّ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ بَـلَاءً الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ

ایک روایت میں ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائے جانے والے انبیاء کرام علیہم السلام ہوتے ہیں پھر جو ان سے ملے ہوتے ہیں پھر جو ان سے ملے ہوتے ہیں پھر جو ان سے ملے ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر9

 قَالَ: الْأَنْبِيَاءُ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: الْعُلَمَاءُ: قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ الصَّالِحُوْنَ

اور امام حاکم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائے جانے والے انبیاء کرام علیہم السلام ہوتے ہیں پھر علماء اور پھر صلحاء۔.

چار نبی سریانی چار نبی عربی

حدیث نمبر10

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی الله عنه في رواية طويلة: قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اﷲِ، کَمِ الْأَنْبِيَاءُ؟ قَالَ: مِائَةَ أَلْفٍ وَعِشْرُوْنَ أَلْفًا قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اﷲِ، کَمِ الرُّسُلُ مِنْ ذَلِکَ؟ قَالَ: ثَـلَاثَ مِائَةٍ وَثَـلَاثَةَ عَشَرَ جَمًّا غَفِيْرًا. قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اﷲِ، مَنْ کَانَ أَوَّلُهُمْ قَالَ: آدَمُ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اﷲِ، أَنَبِيٌّ مُرْسَلٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، خَلَقَهُ اﷲُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُوْحِهِ وَکَلَّمَهُ قَبْـلًا ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ، أَرْبَعَةٌ سَرْيَانِيُوْنَ: آدَمُ، وَشِيْثُ، وَأَخْنُوخُ. وَهُوَ إِدْرِيْسُ وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِالْقَلَمِ. وَنُوْحٌ، وَأَرْبَعَةٌ مِنَ الْعَرَبِ: هُوْدٌ، وَشُعَيْبٌ، وَصَالِحٌ، وَنَبِيُکَ مُحَمَّدٌ(صلی الله عليه واله وسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اﷲ، انبیاء کرام علیہم السلام کتنے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ایک لاکھ بیس ہزار۔ میں نے عرض کیا: ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: تین سو تیرہ (افراد) کا ایک جم غفیر ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اﷲ، ان میں سے سب سے پہلے نبی کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اﷲ! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اﷲ تعالیٰ نے انہیں اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور ان میں اپنی روح پھونکی اور اس سے پہلے ان سے کلام فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اے اباذر، چار نبی سریانی تھے، آدم علیہ السلام، شیث علیہ السلام، اخنوح یعنی ادریس علیہ السلام اور یہ وہ پہلے نبی ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ لکھا اور نوح علیہ السلام، اور چار نبی عربی ہیں: حضرت ھود علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور تمہارے نبی محمد مصطفی ( صلی اللہ علیہ والہ وسلم ) الحدیث۔‘‘

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کا وقفہ

حدیث نمبر11

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي اﷲ عنهما قَالَ: کَانَ بَيْنَ آدَمَ وَنُوْحٍ عَشْرَةُ قُرُوْنٍ کُلُّهُمْ عَلَی شَرِيْعَةٍ مِنَ الْحَقِّ فَلَمَّا اخْتَلَفُوْا بَعَثَ اﷲُ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَأَنْزَلَ کِتَابَهُ فَکَانُوْا أَمَّةً وَاحِدَةً.

حضرت عبداﷲ بن عباس رضی اﷲ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیوں کا (ایک طویل) وقفہ ہے۔ (اس دوران) وہ (تمام لوگ) شریعتِ حق پر تھے، پس جب ان میں اختلافات پیدا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتاب نازل فرمائی پھر وہ ایک امت ہو گئے۔

حدیث نمبر12

قَالَ: کَانَ بَيْنَ آدَمَ وَنُوْحٍ عَشْرَةُ أَقْرُنٍ کُلِّهَا عَلَی الإْسْلَامِ

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ’’حضرت آدم اور حضرت نوح علیھما السلام کے درمیان دس صدیوں کا وقفہ ہے اور یہ دس کی دس صدیاں اسلام پر تھیں۔

حدیث نمبر13

 عَنْ أَبِي أَمَامَةَ رضی الله عنه : أَنَّ رَجُـلًا قَالَ: يَا رَسُوْلَ اﷲِ، أَنَبِيُّ آدَمُ؟ قَالَ: نَعَمْ مُکَلَّمٌ، قَالَ: فَکَمْ کَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ نُوْحٍ؟ قَالَ: عَشْرَةُ قُرُوْنٍ.

اور ایک روایت میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ’’ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ، کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ہاں اور ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی فرمایا، اس شخص نے عرض کیا: حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: دس صدیاں۔

دونبیوں کے دو نام

حدیث نمبر14

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي اﷲ عنهما فِي قَوْلِهِ ل: {وَاذْکُرْ فِي الْکِتَابِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّهُ کَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا} [مريم، 19: 41]، قَالَ: کَانَ الْأَنْبِيَاءُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ إِلَّا عَشْرَةٌ: نُوْحٌ، وَصَالِحٌ، وَهُوْدٌ، وَلُوْطٌ، وَشُعَيْبٌ، وَإِبْرَاهِيْمُ، وَإِسْمَاعِيْلُ، وَإِسْحَاقُ، وَيَعْقُوْبُ وَمُحَمَّدٌ عليهم الصلاة والسلام، وَلَمْ يَکُنْ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَنْ لَهُ اسْمَانِ إِلَّا إِسْرَائِيْلَ وَعِيْسَی فَإِسْرَائِيْلُ يَعْقُوْبُ وَعِيْسَی الْمَسِيْحُ.

’’حضرت عبداﷲ بن عباس رضی اﷲ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ’’اور اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کر بے شک وہ سچے اور نبی تھے۔‘‘ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ سارے کے سارے انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل میں سے تھے سوائے دس انبیاء کرام علیہم السلام کے اور وہ یہ ہیں: حضرت نوح، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے سوائے حضرت اسرائیل اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے کسی کے دو نام نہیں تھے۔ پس اسرائیل علیہ السلام کا دوسرا نام یعقوب اور عیسیٰ علیہ السلام کا دوسرا نام مسیح تھا۔

جوئے کے تیر اور انبیاء کرام

حدیث نمبر15

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي اﷲ عنهما أَنَّ النَّبِيَّ رضی الله عنه لَمَّا رَأَی الصُّوَرَ فِي الْبَيْتِ لَمْ يَدْخُلْ حَتَّی أَمَرَ بِهَا فَمُحِيَتْ، وَرَأَی إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ عليهما السلام بِأَيْدِيهِمَا الْأَزْلَامُ فَقَالَ: قَاتَلَهُمُ اﷲُ وَاﷲِ، إِنِ اسْتَقْسَمَا بِالْأَزْلَامِ قَطُّ.

’’حضرت عبداﷲ بن عباس رضی اﷲ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب خانہ کعبہ میں (دیواروں پر بنی) تصویریں دیکھیں تو اس میں داخل نہ ہوئے یہاں تک کہ ان تصویروں کو آپ کے حکم سے وہاں سے ہٹا دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو (تصویر میں) دیکھا کہ آپ کے ہاتھوں میں جوئے کے تیر ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ان (مشرکین) کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرے۔ اﷲ رب العزت کی قسم، ان دونوں (حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام) نے کبھی بھی جوئے کے تیروں کے ذریعے تقسیم نہیں چاہی۔

کعبہ کی تعمیر کرنے والے دونبی علیہما السلام

حدیث نمبر16

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي اﷲ عنهما قَالَ: جَاءَ إِبْرَاهِيْمُ عليه السلام فَوَجَدَ إِسْمَاعِيْلَ يُصْلِحُ لَهُ بَيْتًا مِنْ وَرَاءِ زَمْزَمَ فَقَالَ لَهُ إِبْرَاهِيْمُ: يَا إِسْمَاعِيْلُ، إِنَّ رَبَّکَ قَدْ أَمَرَنِي بِبَنَاءِ الْبَيْتِ. فَقَالَ لَهُ إِسْمَاعِيْلُ: فَأَطِعْ رَبَّکَ فِيْمَا أَمَرَکَ. قَالَ فَأَعِنِّي عَلَيْهِ. قَالَ: فَقَامَ مَعَهُ فَجَعَلَ إِبْرَاهِيْمُ يَبْنِيْهِ وَإِسْمَاعِيْلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ وَيَقُوْلَانِ: {رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمِ

’’حضرت عبداﷲ بن عباس رضی اﷲ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آبِ زمزم کے اس پار اپنے گھر کی مرمت کرتے ہوئے پایا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے اسماعیل! بے شک تمہارے رب نے مجھے بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا: آپ اپنے رب کے حکم کی اطاعت کیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم اس کام میں میری مدد کرو۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے سو حضرت ابراہیم علیہ السلام گھر بناتے جاتے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو پتھر پکڑاتے جاتے اور دونوں یہ کہتے جاتے: ’’اے ہمارے ربّ ہم سے (ہمارا یہ عمل) قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

کون سا نبی کون سے نبی کے مشابہ

حدیث نمبر17

عَنْ کَعْبٍ رضی الله عنه قَالَ: کَانَ صَالِحٌ نَبِيَّ اﷲِ وَکَانَ يُشْبِهُ بِعِيْسَی بْنِ مَرْيَمَ أَحْمَرُ إِلَی الْبَيَاضِ مَا هُوَ سَبْطُ الرَّأْسِ.

’’حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام اﷲ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیھما السلام کے مشابہ تھے اور سفیدی مائل سرخ تھے، آپ کے بال سیدھے نہیں تھے۔

بریہ پہاڑوں کے مالک نبی

حدیث نمبر18

عَنْ کَعْبٍ رضی الله عنه قَالَ: کَانَ إِلْيَاسُ نَبِيُّ اﷲِ صَاحِبَ جِبَالٍ بَرِيَةٍ يَخْلُو فِيْهَا يَعْبُدُ رَبَّهُ وَکَانَ ضَخْمَ الرَّأَسِ خَمِيْصَ الْبَطْنِ دَقِيْقَ السَّاقَيْنِ وَکَانَ فِي رَأَسِهِ شَامَّةٌ حَمْرَاءُ وَإِنَّمَا رَفَعَهُ اﷲُ إِلَی أَرْضِ الشَّامِ وَلَمْ يَصْعَدْ بِهِ السَّمَاءَ فَأَوْرِثَ الْيَسْعُ مِنْ بَعْدِهِ النُّبُوَّةَ.

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام اﷲ تعالیٰ کے نبی اور بریہ پہاڑوں کے مالک تھے جن میں آپ اﷲ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خلوت اختیار کرتے آپ بڑے سر مبارک والے، خالی پیٹ والے، پتلی پنڈلیوں والے تھے اور آپ کے سر میں سرخ رنگ کا ایک نشان تھا۔ اﷲ تعالیٰ آپ کو ارض شام کی طرف اٹھا کر لے گیا اور آپ کو آسمان کی طرف نہیں اٹھایا اور آپ کے بعد حضرت یسع علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی۔

انبیاء کرام کاحج کے لیئے تشریف لانا

حدیث نمبر19

عَنْ عَبْدِ اﷲِ بْنِ عَبَّاسٍ رضي اﷲ عنهما: أَنَّ رَسُوْلَ اﷲِ صلی الله عليه واله وسلم أَتَی عَلَی وَادِي الْأَزْرَقِ فَقَالَ: مَا هَذَا؟ قَالُوا: وَادِي الْأَزْرَقِ. فَقَالَ: کَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَی مُوْسَی بْنِ عِمْرَانَ مَهْبَطًا لَهُ خَوَارٌ إِلَی اﷲِ بِالتَّکْبِيْرِ. ثُمَّ أَتَی عَلَی ثِنْيَةَ فَقَالَ: مَا هَذِهِ الثِّنْيَةُ؟ قَالُوا: ثِنْيَةُ کَذَا وَکَذَا. فَقَالَ: کَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَی يُوْنُسَ بْنِ مَتَّی عَلَی نَاقَةٍ حَمْرَاءَ جَعْدَةٍ خِطَامُهَا لِيْفٌ وَهُوَ يُلَبِّي وَعَلَيْهِ جُبَّةُ صُوْفٍ.

’’حضرت عبداﷲ بن عباس رضی اﷲ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم وادء ازرق کی طرف تشریف لائے اور فرمایا: یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یہ وادء ازرق ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: گویا کہ میں موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس وادی میں اتر رہے ہیں اﷲ تعالیٰ کی کبریائی بیان کر رہے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک پہاڑی راستے کی طرف تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ کون سا پہاڑی راستہ ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یہ فلاں فلاں پہاڑی راستہ ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: گویا میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو سرخ گنگریالے بالوں والی اونٹنی پر بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اس اونٹنی کی لگام کھجور کی چھال کی ہے اور آپ تلبیہ کہہ رہے ہیں اور آپ نے اون کا جبہ زیب تن کیا ہوا ہے۔

حدیث نمبر20

قَالَ رَسُوْلُ اﷲِ صلی الله عليه واله وسلم : صَلَّی فِي الْمَسْجِدِ الْخَيْفِ سَبْعُوْنَ نَبِيًّا مِنْهُمْ مُوْسَی عليه السلام کَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَعَلَيْهِ عِبَاءَ تَانِ قِطْوَانِيَتَانِ وَهُوَ مُحْرَمٌ عَلَي بَعِيْرٍ مِنْ إِبِلِ شَنُوَّةَ مَخْطُوْمٌ بِخُطَامِ لِيْفٍ لَهُ ضِفْرَانٍ.

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: مسجد خیف میں ستر انبیاء کرام علیہم السلام نے نماز ادا کی جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے، گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں اور ان پر دو قطوانی چادریں تھیں اور وہ حالتِ احرام میں قبیلہ شنوہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ پر سوار تھے جس کی نکیل کھجور کی چھال کی تھی جس کی دو رسیاں تھیں۔

روحاء کے راستے پر ستر انبیاء

حدیث نمبر21

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اﷲ عنهما: أَنَّهُ قَالَ: لَقَدْ سَلَکَ فَجَّ الرَّوْحَاءِ سَبْعُوْنَ نَبِيَا حُجَّاجًا عَلَيْهِمْ ثِيَابُ الصُّوْفِ وَلَقَدْ صَلَّی فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ سَبْعُوْنَ نَبِيًّا.

حضرت عبداﷲ بن عباس رضی اﷲ عنہما بیان کرتے ہیں کہ روحاء کے راستے پر ستر انبیاء کرام علیہم السلام حج کی غرض سے گزرے ہیں جو اون کے کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے اور مسجد خیف میں ستر انبیاء علیہم السلام نے نماز ادا کی۔

مسجد خیف میں ستر انبیاء

حدیث نمبر22

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي اﷲ عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اﷲِ صلی الله عليه واله وسلم : فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ قَبْرُ سَبْعِيْنَ نَبِيًّا.

حضرت عبداﷲ بن عمر رضی اﷲ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اﷲ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: مسجد خیف میں ستر انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات ہیں۔

حیا ۃ انبیاء علیھم السلام

حدیث نمبر23

عَن أبي الدَّرْدَاء قَالَ قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَكْثرُوا الصَّلَاة عَليّ يَوْم الْجُمُعَة فَإِنَّهُ يَوْم مشهود تشهده الْمَلَائِكَة لَيْسَ من عبد يُصَلِّي عَليّ إِلَّا بَلغنِي صَوته حَيْثُ كَانَ قُلْنَا وَبعد وفاتك قَالَ وَبعد وفاتي إِن الله حرم على الأَرْض أَن تَأْكُل أجساد الْأَنْبِيَاء

حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو یہ گواہی دیئے جانے والا دن ہے فرشتے اس دن کی گواہی دیں گے میرا کوئی امتی ایسا نہیں ہے جوکسی جگہ سے مجھ پر درود بھیجے اور اسکی آواز مجھ تک نہ پہنچتی ہو ہم نے عرض کی کیا آپ اپنی وفات کے بعد بھی سنیں گے آپﷺ نے فرمایاکہ میں اپنی وفات کے بعد بھی سنوں گا بیشک اللہ نے زمین پر انبیائے کرام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

حدیث نمبر24

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اﷲِ صلی الله عليه واله وسلم : الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

حدیث نمبر 25

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اﷲِ صلی الله عليه واله وسلم قَالَ: أَتَيْتُ، (وَفِي رِوَايَةِ هَدَّابٍ:) مَرَرْتُ عَلَی مُوسَی لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ عِنْدَ الْکَثِيْبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ حضورنبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: میں آیا (اور حضرت ھدّاب کی ایک روایت میں ہے کہ) شب معراج سرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے میرا گزر ہوا (تومیں نے دیکھا کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔‘‘.

# پانچواں ہفتہ خصائص رسالت محمدی ﷺ

رحمۃ للعالمین

وَمَا اَرْسَلْنٰـکَ اِلاَّ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے نزدیک یہ امر قطعی ہے کہ اس آیت کریمہ میں کاف خطاب سے مراد حضور سید عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ ہے اور یہ امر بھی واضح ہے کہ رحمۃ للعالمین ہونا حضور نبی کریم ﷺ کا وصف خاص ہے یعنی حضور ﷺ کے علاوہ کوئی رحمۃ للعالمین نہیں ہو سکتا جس کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ حضور ﷺ کی مدح میں وارد ہے اور قاعدہ ہے کہ مقام مدح میں جو وصف وارد ہو گا وہ ممدوح کے ساتھ خاص ہو گا کیونکہ تخصیص کے بغیر مدح ممکن نہیں۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ رحمۃللعالمین ہونے کا وصف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص ہو۔ کسی مسلم ہستی کے کلام میں کسی دوسرے کے لئے اگر مسامحہ کے طور پر یہ لفظ یا اس کا ہم معنی کوئی کلمہ وارد بھی ہو تو اسے مبالغہ یا مجاز پر محمول کیا جائے گا۔ حقیقت و واقعیت سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو گا۔

العٰلمین سے مراد صرف انسان یا جن و بشر و ملائکہ ہی نہیں بلکہ کل ما سوی اللہ ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا جہت رسالت سے ہے اور رسالت کل مخلوق کے لئے عام ہے جیسا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، ارسلت الی الخلق کافۃ (رواہ مسلم)  
’’میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔‘‘

جب رسالت کل مخلوق کے لئے عام ہے تو رحمت بھی سارے جہانوں کے لئے عام اور اللہ کے سوا ہر ذرے کو شامل قرار پائی۔ وللّٰہ الحمد!

اس کے بعد لفظ رحمۃ کی طرف آئیے۔ مفسرین نے اس کی دو توجیہیں کی ہیں۔ اگر مستثنیٰ منہ اعم علل ہو تو ’’رحمۃ‘‘ ارسلنا فعل کا مفعول لہٗ قرار پائے گا اور تقدیر عبارت یہ ہو گی ’’وما ارسلنٰـک لعلۃ من العلل الا لاجل الرحمۃ للعٰلمین۔‘‘ (ہم نے آپ کو کسی کے لئے نہیں بھیجا صرف عالمین کے واسطے ’’رحمت‘‘ کے لئے بھیجا ہے) اور اگر اعم احوال کو مستثنیٰ منہ بنایا جائے تو رحمت ضمیر خطاب سے حال ہو گا اور لفظ رحمت مصدر مبنی للفاعل ہو کر بمعنی راحم قرار پائے گا اور تقدیر عبارت یوں ہو گی کہ ’’وما ارسلنٰـک فی حال من الاحوال الا حال کونک راحما للعٰلمین۔‘‘ (اے محبوب ﷺ) نہیں بھیجا ہم نے آپ کو کسی حال میں مگر صرف اس حال میں کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحم کرنے والے ہیں۔ لفظ رحمت مفعول لہٗ ہو یا حال بہر صورت آپ تمام جہانوں کے لئے راحم قرار پاتے ہیں کیونکہ مفعول لہٗ سبب فعل ہوتا ہے اور فاعل بھی سبب فعل ہے اس لئے حضور ﷺ کا راحم ہونا حال اور مفعول لہٗ دونوں کے مطابق ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ تمام کائنات، کل مخلوقات، ایک ایک ذرہ، ایک ایک قطرہ غرض اللہ کے سوا ہر شے کے لئے رحم فرمانے والے ہیں۔

بیان سابق کی روشنی میں جب حضور ﷺ کا تمام عالمین کے لئے راحم ہونا ثابت ہو گیا تو رَاحِمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ہونے کے لوازمات و مناسبات بھی ثابت ہو گئے۔ کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اذا ثبت الشیء ثبت بجمیع لوازمہٖ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

کسی پر رحم کرنے کے لئے چار باتیں لازم ہیں  
نمبر ۱: سب سے پہلے تو یہ امر لازم ہے کہ رحم کرنے والا زندہ ہو مردہ نہ ہو کیونکہ مردہ رحم نہیں کر سکتا وہ خود رحم کا طالب و مستحق ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر حضور ﷺ معاذ اللہ زندہ نہ ہوں تو رَاحِمًا لِّلْعٰلَمِیْن نہیں ہو سکتے۔ جب آیت قرآنیہ سے حضور ﷺ کا رَاحِمًا لِّـلْـعٰـلَمِـیْـن ہونا ثابت ہو گیا تو حضور ﷺ کا زندہ ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

نمبر ۲: دوسری بات یہ ہے کہ صرف زندہ ہونے سے کسی پر رحم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ رحم کرنے والا مرحوم کے حال کا عالم نہ ہو کیونکہ بے خبر کسی پر کیا رحم کرے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ فرض کیجئے زید انتہائی مظلوم ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس پر رحم کر کے ظالم کے ظلم سے اسے بچائے۔ اسی خواہش کو دل میں لے کروہ عمرو کے پاس جاتا ہے اور اس سے رحم کی درخواست کرتا ہے۔ عمرو اس کی درخواست سن لیتا ہے مگر اسے کچھ معلوم نہیں کہ اس کا حال کیا ہے؟ وہ نہیں جانتا کہ یہ کس مصیبت میں مبتلا ہے اور کس نوعیت کے رحم کا طالب ہے اس لئے وہ اس سے دریافت کرتا ہے کہ تمہیں تکلیف کیا ہے اور تم کس طرح کی مہربانی چاہتے ہو۔ اب اگر زید اسے اپنا حال نہ بتائے اور یہی کہتا رہے کہ آپ میرا حال نہ پوچھیے بس مجھ پر رحم کر دیجیے تو کیا عمرو اس پر رحم کر سکتا ہے؟ نہیں اور یقینا نہیں۔ جب تک وہ اپنا حال نہ بتائے اور عمرو اس کے حالات سے پوری طرح باخبر نہ ہو اس وقت تک وہ اس پر قطعاً رحم نہیں کر سکتا۔ آیت قرآنیہ کی روشنی میں حضور ﷺ رَاحِمًا لِّلْعٰلَمِیْن ہیں تو جب تک حضور ﷺ تمام عالمین ماسوی اللہ جمیع کائنات و مخلوقات کے حالات کو نہ جانیں اور جمیع ما کان وما یکون کا علم حضور ﷺ کو نہ ہو اس وقت تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رَاحِمًا لِّلْعٰلَمِیْن نہیں ہو سکتے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رَاحِمًا لِّلْعٰلَمِیْن ہونا ثابت ہے تو تمام کائنات کے احوال کا عالم ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

نمبر ۳: تیسری بات یہ کہ صرف عالم ہونے سے بھی کسی پر رحم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ رحم کرنے والا مرحوم تک اپنی رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار نہ رکھتا ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص شب و روز ہمارے پاس مقیم ہے وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مشغول رہتا ہے اور عبادت و ریاضت کرتے کرتے وہ اس قدر ضعیف و ناتواں ہو گیا ہے کہ اس کے لئے چلنا پھرنا اور اٹھنا بیٹھنا تک دشوار ہو گیا ہے اگر ایسے شخص کو ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کے الزام میں پکڑ کر تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے اور وہ بے گناہ اس وقت ہم سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے کہے کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں آپ مجھ پر رحم کیوں نہیں کرتے تو ہم اسے یہی جواب دیں گے کہ واقعی ہم آپ کے حال سے اچھی طرح باخبر ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ آپ بے گناہ ہیں مگر فقط جاننے سے کیا ہوتا ہے؟ ہمارے پاس وہ قدرت و اختیار نہیں کہ آپ کوتختۂ دار سے بچا لیں۔ اپنی رحمت آپ تک پہنچانے کا جب تک ہمیں اختیار نہ ہو اور قدرت نہ پائی جائے اس وقت تک ہم آپ پر رحم نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا قدرت و اختیار کاہونا بھی رحم کرنے کے لئے ضروری ہے۔ جب حضور ﷺ تمام مخلوقات اور کل کائنات کے لئے علی الاطلاق راحم ہیں تو ہر ذرئہ کائنات تک رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار بھی حضور ﷺ کے لئے حاصل ہے۔

نمبر ۴: چوتھی بات یہ کہ صرف قدرت و اختیار سے بھی کام نہیں چلتا۔ کسی پر رحم کرنے کے لئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ رحم کرنے والا مرحوم کے قریب ہو اور مرحوم راحم کے قریب ہو۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھیئے کہ مثلاً آپ تین فرلانگ کے فاصلہ پر کھڑے ہیں اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خونخوار دشمن نے آپ کے مخلص دوست پر حملہ کر دیا وہ چلّا کر آپ سے رحم کی درخواست کرنے لگا۔ آپ اس کی مدد کے لئے دوڑے اور خلوص قلب سے اس پر رحم کرنے کے لئے آگے بڑھے مگر آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن نے اسے ہلاک کر دیا۔ اب غور کریں آپ زندہ بھی ہیں اور اس دوست کو بچشم خود ملاحظہ فرما رہے ہیں اور اس کے حال کے عالم بھی ہیں، رحم کرنے کی قدرت اور طاقت بھی آپ کے اندر پائی جاتی ہے۔ آپ اپنے اختیار سے رحم کر سکتے ہیں لیکن صرف اس وجہ سے کہ وہ مخلص دوست آپ سے دور ہے اور آپ اس سے دور ہیں۔ آپ اپنی حیات، قدرت و اختیار کے باوجود بھی اس پر رحم نہیں کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ رحم کرنے کے لئے راحم کا مرحوم سے قریب ہونا بھی ضروری ہے۔

جب آیت قرآنیہ سے رسول اللہ ﷺ کے لئے تمام جہانوں اور مخلوقات کے ہر ذرے کے لئے راحم ہونا ثابت ہو گیا تو یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ حضور ﷺ اپنی روحانیت و نورایت کے ساتھ تمام کائنات کے قریب ہیں اور ساری کائنات حضور ﷺ سے قریب ہے۔  
ایک شبہ کا ازالہ  
اگر یہاں یہ شبہ پیدا کیا جائے کہ ایک ذات تمام جہانوں کے قریب کیسے ہو سکتی ہے؟ ایک فرد کسی ایک سے قریب ہو گا تو اس کے علاوہ باقی سب سے دور ہو گا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ فردِ واحد افرادِ کائنات میں سے ہر فرد کے قریب ہو؟  
تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن دو کے درمیان نزدیکی متصور ہے اگر وہ دونوں کثیف ہوں تو واقعی ایسا ہی ہو گا کہ فردِ واحد افرادِ مختلفہ فی الزمان و المکان سے بیک وقت قریب نہیں ہو سکتا اور اگر دونوں لطیف ہوں یا دونوں میں سے کوئی ایک لطیف ہو تو جو لطیف ہو گا وہ بیک وقت تمام موجوداتِ کائنات سے قریب ہو سکتا ہے جس میں کوئی شرعی یا عقلی استحالہ لازم نہیں آتا۔ دیکھیئے ایک قرآن سارے جہان میں پایا جاتا ہے۔ مشرق و مغرب، جنوب و شمال، افریقہ و امریکہ، چین و جاپان میں ہر مسلمان حافظ قرآن کے سینے میں ایک ہی قرآن ہے اور وہ ایک ہونے کے باوجود سب سے قریب ہے۔ عالم محسوسات میں شکل و صورت اور آواز ہی کو لے لیجئے کہ ایک شکل ایک صورت اور ایک ہی آواز بے شمار دیکھنے اور سننے والوں سے قریب ہے۔ ایک بولنے والے کی آواز تمام سامعین کے کانوں میں پہنچتی ہے اور ایک شکل و صورت سب دیکھنے والوں کی آنکھوں اور دماغوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگرچہ حفاظِ قرآن کثیف ہیں اسی طرح سننے دیکھنے والے انسان بھی کثافت سے متصف ہیں لیکن قرآن شکل و صورت اور آواز یہ سب چیزیں لطیف ہیں اس لئے سب کے قریب ہیں کسی سے دور نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی لطافت اتنی قوی اور ارفع و اعلیٰ ہے جس کی شان کو کائنات و مخلوقات کی کوئی لطیف سے لطیف چیز بھی نہیں پہنچ سکتی۔

اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تمام افرادِ ممکنات سے قریب ہونا بالکل واضح اور روشن ہے۔ ہم کثیف سہی لیکن حضور ﷺ تو لطیف ہیں۔ لہٰذا حضور ﷺ کا ہم سب سے قریب ہونا کوئی امر دشوار نہیں۔ آواز کی لطافت کا یہ حال ہے کہ جہاں تک ہوا جا سکتی ہے آواز بھی وہاں تک پہنچ سکتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ آواز اور ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہیں۔ ہوا اپنے مقام محدود سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور آواز ہوا سے آگے نہیں جا سکتی لیکن جہاں آواز اور ہوا بھی نہ جا سکے، آواز اور ہوا تو کیا، یوں کہیئے کہ جہاں جبریل امین علیہ السلام کا بھی گزر نہ ہو سکے وہاں بھی حضور ﷺ پہنچ جاتے جاتے ہیں بلکہ جہاں زمانہ اور مکان بھی نہ پایا جا سکے وہاں بھی حضور ﷺ پائے جاتے ہیں۔ یقین نہ ہو تو شب معراج کا حال سامنے رکھ لیجئے جس سے آپ کو ہمارے بیان کی پوری تصدیق ہو جائے گی۔

مختصر یہ کہ لطافت ایسی صفت ہے جس کے ہوتے ہوئے قرب اور بعد مکانی کا اشکال باقی نہیں رہتا اور حضور ﷺ تو ایسے لطیف ہیں کہ تمام کائنات میں کوئی چیز رسول اللہ ﷺ کے برابر لطیف پیدا نہیں ہوئی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات شریف (ج ۳ ص ۱۸۷ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ) میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ دلیل یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس چیز سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا سایہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے وجود مبارک سے زیادہ لطیف ہوتا اور حضور ﷺ کے وجود مبارک کے برابر کوئی لطیف چیز جہان میں پیدا نہیں ہوئی چہ جائیکہ اس سے زیادہ لطیف ہو۔ اس صورت میں حضور ﷺ کا سایہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

حاصل کلام یہ ہے کہ حضور ﷺ تمام عالموں کے قریب اسی وقت ہو سکتے ہیں کہ جب اعلیٰ درجے کے نورانی، روحانی اور لطیف ہوں۔ چونکہ رَاحِمًا لِّلْعٰلَمِیْن ہونے کی وجہ سے ان کا تمام جہانوں سے قریب ہونا ضروری ہے اس لئے ان کا روحانی، نورانی اور لطیف ہونا بھی ضروری ہوا۔ ایک آیت سے پانچ مسئلے وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گئے یعنی حضور ﷺ تمام عالموں کے لئے رحمت فرمانے والے ہیں لہٰذا زندہ ہیں اور تمام کائنات کے حالات و کیفیات کے عالم بھی ہیں اور ساتھ ہی عالم کے ہر ذرہ تک اپنی رحمت اور نعمت پہنچانے کی قدرت اور اختیار بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ تمام عالم کو محیط اور تما م کائنات کی ہر شے سے قریب بھی ہیں۔ نیز ایسے روحانی، نورانی اور لطیف ہیں کہ جس کی بنا پر آپ کا کسی ایک چیز سے قریب ہونا دوسری چیز سے بعید ہونے کو مستلزم نہیں بلکہ بیک وقت تمام افرادِ عالم سے یکساں قریب ہیں۔

رسالت محمدیﷺ کی خصوصیات

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے سامنے جو پیغام پیش کیا وہ آفاقی پیغام ہے جوہرانسان ،ہرقوم اورہرقبیلہ کی یکساں رہنمائی کے قابل ہے ، وہ پیغام جس کی بنیادپرہردوراورہرزمانے میں متمدن ملک اورصالح معاشرہ کی تشکیل عمل میں آسکتی ہے:

 وحدت الہ کا تصور:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اللہ کی عبادت اوربندگی کی طرف انسانوں کوبلایاوہ سارے انسانوں کارب ہے، وہ ساری مخلوق کاخالق ومالک ہے ،آپ نے اللہ تعالی کونہ تین میں کاایک بتایاجیساکہ عیسائیوں کانظریہ ہے ،نہ اسے انسانی شکل میں ماناجیساکہ ہندؤں کاعقیدہ ہے ،بلکہ لوگوں کواللہ کی وہی پہچان بتائی جواللہ تعالی نے اپنی حقیقی پہچان بتائی ہے:

 قل ھواللہ أحد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا أحد (سورة الاخلاص)

”اے محمد( صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے ،اللہ بے نیاز ہے،نہ اس سے کوئی پیداہوااورنہ وہ کسی سے پیداہوا،اورنہ اس کا کوئی شریک ہے “ ۔

غرضیکہ محمدصلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو جس اللہ کی عبادت کی طرف بلایاوہ صرف مسلمانوں کا اللہ نہیں بلکہ پوری انسانیت بلکہ ساری مخلوق کاخالق ومالک ہے چنانچہ قرآن اعلان کرتاہے:

یا أیھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (سورة البقرة 21)

”اے لوگو!اپنے رب کی عبادت کرو،دوسروں کے رب کی نہیں ۔کون رب؟ الذی خلقکم ”جس نے تجھے پیداکیا“ یعنی جس اللہ نے تجھے پیداکیا،اورتجھے ہی نہیں بلکہ تجھ سے پہلے لوگوں کوبھی پیداکیا،لہذاعبادت بھی اسی ایک اللہ کی ہونی چاہئے ۔

 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہماری پیشانی کی قدرکرتا ہے کہ اِسے صرف اسی ایک اللہ کے سامنے جھکنا چاہیے۔ جوہمارا پیدا کرنے والاہے ،ہم سے پہلے لوگوں کا پیدا کرنے والا ہے ،جس نے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، سورج چاند بنائے ، پانی برسایا اور ہر طرح کی پیداوار نکال کر ہمارے لیے رزق بہم پہنچایا ، اور ہم پر ہرطرح کی انعامات کی توپھر عبادت بھی توصرف اسی ایک اللہ کی ہونی چاہیے، اسی لیے اللہ تعالی نے فرمایا :

فلاتجعلوا للہ أندادا وأنتم تعلمون (سورة بقرة 22)

"جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مد مقابل نہ ٹھیراؤ"

اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی عبادت کے ساتھ اپنی عبادت کابھی حکم دیاہوتا توہم کہہ سکتے تھے ،کہ اسلام صرف عربوں کادین ہے ، اورایسی صورت میں اسلام اوردیگرمذاہب میں کوئی فرق نہ رہ جاتا لیکن دعوت محمدیﷺ کی امتیازی شان یہی ہے کہ اس میں توحیدباری تعالی کاخالص تصورپایاجاتاہے،یہاں تک کہ اگرکسی نے اللہ کے نبی کے اندرہلکی سی الوہیت بھی مان لیا تووہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا ،اسی لیے اسلام میں سب سے عظیم گناہ شرک کوقراردیاگیا ہے،یہی وہ گناہ ہے جس کی معافی اللہ کے ہاں نہیں ہے،اللہ تعالی نے فرماتاہے :

 إن اللہ لایغفر أن یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء (سورہ النساءآیت نمبر 48)

" اللہ تعالی شرک کومعاف نہیں کر سكتا اورشرک کے علاوہ باقی جتنے گناہ ہیں اگرچاہے تو معاف کرسكتا ہے"

 وحدت آدم کا تصور :

دعوت محمدیﷺ کی دوسری آفاقی خصوصیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کو ایک مقصد ایک ہدف اور ایک نصب العین پر جمع کیا ، رنگ ونسل کے فرق کو مٹاکر ساری انسانیت کو ایک کردیا،سارے انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دیا ،جن کے بیچ کوئی بھیدبھاؤ،نسلی تعصب اورامتیاز نہیں ،آپ نے ہرطرح کی لسانی ،قبائلی ،اورملکی تقسیم کومٹایا اورسارے انسانوں کوایک ماں باپ کی اولادقراردیا ،قرآن کریم یہ تعلیم دیتاہے کہ نہ صرف مسلمان بلکہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، سب کانسب ایک ہے ،لہذاایک انسان کودوسرے انسان پرنسبی یاقبائلی بنیاد پرکوئی فضیلت حاصل نہیں ہوسکتی قرآن میں اللہ تعالی فرماتاہے :

 یا أیھا الناس إنا خلقناکم من ذکروأنثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن إکرمکم عنداللہ أتقاکم (سورہ حجرات آیت نمبر11)

"اے لوگوں ! ”ہم نے تم سب کوایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا یعنی تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو ایک ماں باپ کی اولاد ہو ،اورہم نے تمہیں خاندانوں اورقبیلوں میں اس لیے تقسیم کردیاہے ،تاکہ تم ایک دوسرے کوپہچان سکو ، ورنہ تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہ ہے جوزیادہ پرہیزگارہو“۔

جس دین میں انسانوں کومختلف نسلوں اورگروہوں میں بانٹ دیاگیاہووہ دین کسی صورت میں آفاقیت کاحامل نہیں ہوسکتا، اسی لیے نبی خاتم نے سب سے پہلے نسلی بھیدبھاؤکی لعنت کودورکرنے کی طرف توجہ دیا، یہاں تک کہ حجة الواع کے موقع پر سوالاکھ صحابہ کرام کے مجمع کوخطاب کرتے ہوئے کہا تھا، ”سنو! کسی عربی کوکسی عجمی پرکوئی فضیلت نہیں ہے ،اورنہ کسی عجمی کوعربی پر،نہ کسی گورے کوکسی کالے پر،نہ کسی کالے کوگورے پرکوئی فضیلت حاصل ہے ،ہاں اگرفضیلت وبرتری کاکوئی معارہوسکتاہے ،تووہ تقوی ہے ، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں عداس نینوائی ،بلال حبشی، سلمان فارسی،صہیب رومی، ضمادازدی،طفیل دوسی، ابوذرغفاری، ابوعامراشعری،اسامہ نجدی ،کرزفہری اورعدی طا ئی،سب پہلوبہ پہلو بیٹھے نظرآتے ہیں ۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی بنیاد پرجس معاشرے کی تشکیل کی تھی اس میں ہرقوم اورہرنسل کے لوگ جمع ہوگئے تھے ،اسلام نے سب کوآپس میں بھائی بھائی بنادیاتھا،اونچ نیچ اورچھوت چھات کانام ونشان مٹ چکاتھا،یہ وہ افاقی تعلیم ہے جو صرف مذہب اسلام میں پائی جاتی ہے ۔

 مکمل نظام حیات کی طرف رہنمائی :

رسالت محمدیﷺ کی تیسری آفاقی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے ، زندگی گزارنے کا طریقہ ہے ،زندگی کے ہرشعبے میں رہنمائی کرتی ہے ،عقائد، عبادات، معاملات ،اخلاقیات ، معاشرت ومعیشت اور حلال وحرام غرضیکہ ہر شعبہ حیات میں اس کی جامع تعلیمات ملتی ہیں،اور اس تعلیم کی معنویت یہ ہے کہ اس میں کسی طرح کی کمی اوربیشی کی کوئی گنجائش نہیں، ارشاد باری تعالی ہے:

”آج میں نے تمہارا دین مکمل کردیا،تم پر اپنی نعمت تمام کردی ،اورتمہارے لیے اسلام کوبحیثیت دین کے پسند کرلیا۔ ( سورة آل عمران 3)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتعلیمات پیش کیں ان کاتعلق انسان کے جملہ شعبہ حیات سے ہے ،چاہے ان کاتعلق روحانی زندگی سے ہو ،یا اخلاقی زندگی سے ،سیاسی زندگی سے ہویا اقتصادی زدگی سے ،انفرادی زندگی سے ہویا اجتماعی زندگی سے ، دنیامیں اسلام ہی ایسادین ہے ،جوایک نظام حیات رکھتاہے ،اس کے علاوہ دنیامیں کوئی اوردین نہیں ہے ،جوآپ کومکمل نظام حیات یعنی سسٹم آف لائف دیتاہو ،دیگرمذاہب میں دین نام ہے ،عبادت کے چندرسوم بجالانے کا ، رہامسئلہ اجتماعی زندگی کا،سیاسی زندگی کا،معاشی زندگی کا ،اورعدالتی نظام وقوانین کاتواس کامذہب سے کوئی تعلق نہیں ،جبکہ اسلام پورے کے پورے نظام حیات پرحاوی ہے ،چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ہمیں نمازروزے اورحقوق اللہ کی ادئیگی کاحکم دیا تووہیں بندوں کے حقوق بجالانے کی بھی تلقین کی ،ماں باپ، بیوی بچوں ،رشتہ داروں اورپروسیوں، عالم وجاہل ،مسلم غیرمسلم اورحاکم ورعایا سب کے حقوق،یہاں تک کہ جانور وں تک کے حقوق بتایا ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صحت کے آداب ،لباس کے آداب ،ملاقات کے آداب،سلام کے آداب ،گفتگوکے آداب ،مہمان کے آداب،میزبان کے آداب،مجلس کے آداب،کھانے پینے کے آداب،سونے جاگنے کے آداب،رشتے کے آداب،سفرکے آداب غرضیکہ زندگی کے سارے آداب سکھایا۔

 حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اچھے اخلاق کی تعلیم دی مثلاصبروتحمل ،ایثاروقربانی ،عدل وانصاف ،شفقت ورحمت ،شرم وحیا،احسان وبھلائی ، صدق وصفا،جودوکرم ،اورسخاوت وفیاضی وغیرہ ،اوربرے اخلاق سے منع کیا مثلاشروفساد،ظلم وزیادتی ،بغض وحسد ،دھوکہ دہی ،خودپسندی ،غروروتکبر،بخل وکنجوسی ،بے شرمی وعاجزی اورجھوٹ ودروغ گوئی ،وغیرہ ۔

 حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر طرح کے جائز کاروبا اورحلال تجارت کاحکم دیا، اورکاروبار میں جھوٹ ، رشوت ، سود، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی اورقرض لے کرکھاجانا وعیرہ سے سختی کے ساتھ منع کیا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح ،طلاق ، خلع، مصاہرت ، حضانت،اوررواثت کے احکام بتائے توجنایات کے حدود، قضاوکورٹ کے مسائل ،تعزیرات کے احکام،قاضی کی ذمہ داریوں حاکم وقت کے فرائض ملکی وبین الاقوامی اصول وقوانین سب کو کھول کھول کربیان کیا ۔

# چھٹا ہفتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اطاعت ومحبت رسولﷺ

کائنات کا تمام تر حسن و جمال ابد الآباد تک آفتابِ رسالت کے جلوؤں کی خیرات ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم دنیا کے خوش قسمت ترین انسان تھے کہ انہوں نے حالتِ ایمان میں آقائے محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ اُنہیں ان فضاؤں میں جو تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انفاسِ پاک سے معطر تھیں، سانس لینے کی سعادت حاصل ہوئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ تھی، دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنہیں دنیا و مافیہا کی ہر نعمت سے بڑھ کر عزیز تھا۔ وہ ہر وقت محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جھلک دینے کے لئے ماہیء بے آب کی طرح تڑپتے رہتے تھے۔ اس حسنِ بے مثال کی جدائی کا تصور بھی ان کے لئے سوہانِ روح بن جاتا۔ وہ چاہے کتنے ہی مغموم و رنجیدہ ہوتے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آتے ہی ان کے دل و جاں کو راحت اور سکون کی دولت مل جاتی، پھر وہ عالمِ وارفتگی میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائمی رفاقت کی آرزو اور تمنا کی فضائے دلکش میں گم ہو جاتے۔ انہیں یہ اندیشہ بے تاب رکھتا کہ کہیں اُن سے صحبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گراں بہا نعمت چھن نہ جائے، اُن کے قلوبِ مضطر کو اس وقت قرار آیا جب اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال پر مر مٹنے والے عشاق کو اخروی زندگی میں ابدی رفاقتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مژدۂ جانفزا سنایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :

**وَمَن يُطِعِ اللّهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَـئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـئِكَ رَفِيقًاO ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّهِ وَكَفَى بِاللّهِ عَلِيمًاO**  
اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں ، یہ اللہ کا فضل ہے ، اور اللہ کافی ہے جاننے والا،

شانِ نزول

ایک انصاری صحابی رسول اﷲ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا : یا رسول اﷲ! آپ مجھے اپنی جان، والدین، اہل و عیال اور مال سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور جب تک میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کر لوں تو محسوس کرتا ہوں کہ میں اپنی جاں سے گزر جاؤں گا، اور (یہ بیان کرتے ہوئے) وہ انصاری صحابی زار و قطار رو پڑے۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : یہ نالۂ غم کس لئے؟ تو وہ عرض کرنے لگے : یا رسول اﷲ! جب میں خیال کرتا ہوں کہ آپ وصال فرمائیں گے اور ہم بھی مر جائیں گے تو آپ انبیاء کرام کے ساتھ بلند درجات پر فائز ہوں گے، اور جب ہم جنت میں جائیں گے تو آپ سے نچلے درجات میں ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کوئی جواب نہ دیا، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (یہ آیت مبارکہ) نازل فرمائی : ’’ اور جو کوئی اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اِطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ قیامت) اُن (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ‘‘ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اس صحابی کو بلایا اور) فرمایا : اے فلاں! تجھے (میری ابدی رفاقت کی) خوش خبری مبارک ہو۔‘‘

ان مشتاقانِ دید کے دل میں ہر لمحہ یہ تمنا دھڑکتی رہتی تھی کہ ان کا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی ان سے جدا نہ ہو اور وہ صبح و شام اس محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے اپنے قلوب و اذہان کو راحت و سکون بہم پہنچاتے رہیں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ربِ کائنات نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیرت و صورت میں ایسا یکتا و تنہا اور بے مثال بنایا تھا کہ کائناتِ رنگ و بو میں کوئی دوسرا اس کا ہم سر نہ تھا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ہی نہیں کہہ دیا تھا

:کوئی مثل نئیں ڈھولن دی

چپ کر مہر علی ایتھے جا نئیں بولن دی

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اول تا آخر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت کرتے تھے اور اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ نہ انہیں اپنی جان کی پروا تھی، نہ مال و اولاد کی۔ وہ دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزیز جانتے تھے۔ انہوں نے جس والہانہ عشق و محبت کا مظاہرہ کیا انسانی تاریخ آج تک اس کی نظیر پیش کر سکی اور نہ قیامت تک اس بے مثال محبت کے مظاہر دیکھنے ممکن ہوں گے۔

ذیل میں اسی لازوال محبت کے چند مستند واقعات کا ذکر کیا جائے گا :

1۔ صحابہ کرام کی نماز اور زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسین منظر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرضِ وصال میں جب تین دن تک حجرۂ مبارک سے باہر تشریف نہ لائے تو وہ نگاہیں جو روزانہ دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرفِ دلنوازسے مشرف ہوا کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس گئیں۔ جان نثاران مصطفیٰ سراپا انتظار تھے کہ کب ہمیں محبوب کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ بالآخر وہ مبارک و مسعود لمحہ ایک دن حالتِ نماز میں انہیں نصیب ہوگیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایامِ وصال میں جب نماز کی امامت کے فرائض سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھے، پیر کے روز تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں حسب معمول باجماعت نماز ادا کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدرے افاقہ محسوس کیا۔

’’آپ نے اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر کھڑے کھڑے ہمیں دیکھنا شروع فرمایا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور قرآن کا ورق ہو، پھر مسکرائے۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کی خوشی میں قریب تھا کہ ہم لوگ نماز چھوڑ بیٹھتے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے پلٹے تاکہ صف میں شامل ہوجائیں اور انہوں نے یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لانے والے ہیں۔‘‘

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری  
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اربابِ تاریخ و سیر لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں قحط سالی کے دور میں حکومت کے جمع شدہ ذخیرے سے قحط زدہ عوام میں غلے کی تقسیم کا نظام قائم فرمایا۔ ابھی آئندہ فصل کے آنے میں تین ماہ باقی تھے کہ غلے کا سٹاک ختم ہو گیا۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ فکر لاحق ہو گئی کہ افلاس زدہ لوگوں کو غلے کی فراہمی کیسے ہو گی۔ وہ اس فکر میں غلطاں تھے کہ اللہ رب العزت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بذریعہ جبرئیل علیہ السلام یہ پیغام دیا کہ اپنے چہرے کو بے نقاب کر دیجئے، اس طرح بھوکے لوگوں کی بھوک کا مداوا ہو جائے گا۔ روایات میں ہے کہ جو بھوکا شخص حضرت یوسف علیہ السلام کا دیدار کر لیتا اس کی بھوک مٹ جاتی۔

شمائل الترمذی : 27، حاشيه : 3

قرآنِ حکیم نے زنانِ مصر کا ذکر کیا ہے کہ وہ کس طرح حسنِ یوسف علیہ السلام کی دید میں اتنا محو اور بے خود ہو گئیں کہ انہیں اپنے ہاتھوں کی انگلیاں کٹ جانے کا احساس بھی نہ رہا ۔

یہ تو حسنِ یوسفی کی بات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمام انبیاء علیہم السلام کی صفات و کمالات کے جامع ہیں۔ اس لئے حسن و جمال کی بے خود کر دینے والی کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں اس درجہ موجود تھی کہ اسے احاطہ بیان میں نہیں لایا جاسکتا۔ امام احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

؎حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں

سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بھوکوں کی بھوک رفع کرنے کا ذریعہ بنتی تھی، چہرۂ اقدس کے دیدار کے بعد بھوک اور پیاس کا احساس کہاں رہتا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت کا شانۂ نبوت سے باہر تشریف لائے کہ :

’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے کبھی اس وقت باہر تشریف نہ لاتے تھے اور نہ ہی کوئی آپ سے ملاقات کرتا۔‘‘

پھر یوں ہوا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بھوک سے مغلوب باہر تشریف لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رفیقِ غار سے پوچھا :اے ابوبکر! تم اس وقت کیسے آئے ہو؟

اس وفا شعار عجزو نیاز کے پیکر نے ازراہِ مروّت عرض کیا :’’یا رسول اﷲ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف آپ کی ملاقات، چہرہ انور کی زیارت اور سلام عرض کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔‘‘تھوڑی دیر بعد ہی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی اسی راستے پر چلتے ہوئے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوگئے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا :اے عمر! تمہیں کون سی ضرورت اس وقت یہاں لائی؟‘‘

شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے نے عرض کی :الجوع، یا رسول اﷲ!یا رسول اللہ! بھوک کی وجہ سے حاضر ہوا ہوں۔‘‘والی کون و مکان رحمتِ کل جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

’اور مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔‘‘تو ہادیء برحق نبی مکرم حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں جاں نثاروں کے ہمراہ اپنے ایک صحابی حضرت ابو الہیثم بن تیہان انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کا شمار متمول انصار میں ہوتا تھا۔ آپ کھجوروں کے ایک باغ کے مالک تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے وقت صاحبِ خانہ گھر پر موجود نہ تھے، اُن کی اہلیہ محترمہ نے بتایا کہ وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہوئے ہیں۔ اتنے میں ابوالہیثم رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ جب دیکھا کہ آج سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے غریب خانے کو اعزاز بخشا ہے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دو صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ اپنے گھر میں دیکھ کر پھولے نہیں سما رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار کیسے کریں، کیسے بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر بجا لائیں؟ ایک عجیب سی کیف و سرور اور انبساط کی لہر نے اہلِ خانہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور گھر کے در و دیوار بھی خوشی سے جھوم اٹھے تھے۔ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ پر جو کیفیت طاری ہوئی اس کے بارے میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ آتے ہی) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لپٹ گئے اور کہتے جاتے میرے ماں باپ آپ صلی اﷲ عليک وسلم پر قرباں ہوں۔‘‘

بعد ازاں حضرت ابو الہیشم رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ان دو صحابہ کرام رضی اﷲ عنہم کو اپنے باغ میں لے گئے، تازہ کھجوریں پیش کیں اور کھانا کھلایا۔

شمائلِ ترمذی کے حاشیہ پر مذکورہ حدیث کے حوالے سے یہ عبارت درج ہے :

**لعل عمر رضی الله عنه جاء ليتسلي بالنظر في وجه رسول اﷲ صلي الله عليه وآله وسلم کما کان يصنع أهل مصر في زمن يوسف عليه السلام، و لعل هذا المعني کان مقصود أبي بکر رضی الله عنه و قد أدي بالطف وجه کأنه خرج رسول اﷲ صلي الله عليه وآله وسلم لما ظهر عليه بنور النبوة أن أبابکر طالب ملاقاته، و خرج أبوبکر لما ظهر عليه بنور الولاية أنه صلي الله عليه وآله وسلم خرج في هذا الوقت لانجاح مطلوبه.**

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس لئے تشریف لائے تھے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت سے اپنی بھوک مٹانا چاہتے تھے، جس طرح مصر والے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن سے اپنی بھوک کو مٹا لیا کرتے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل میں بھی یہی راز مضمر تھا۔ مگر رفیقِ سفر نے اپنا مدعا نہایت ہی لطیف انداز میں بیان کیا اور یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پُر نورِ نبوت کی وجہ سے آشکار ہو چکا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ طالبِ ملاقات ہیں اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نورِ ولایت کی وجہ سے واضح ہو چکا تھا کہ اس گھڑی آقائے مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار انہیں ضرور نصیب ہو گا۔‘‘

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ حضرت عمربن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم سب سے زیادہ محبوب تھے، اور ہم سے بہتر اور ہمارے سردار تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ فرمایا : مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت ابو بکر تھے۔‘‘

محمد بن کعب سے روایت ہے کہ اس اُمت میں سے سب سے پہلے (عورتوں میں) ایمان لانے والی سیدہ خدیجۃ الکبريٰ رضی اللہ عنھا ہیں اور مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ لیکن اپنے اسلام کا اعلان سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔‘‘

تصریح :

آپ رضی اللہ عنہ پختہ عمر افراد میں سے تھے اور معاشرے میں سماجی اور تجارتی سرگرمیوں کے باعث معروف بھی تھے اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کے اظہارِ اسلام کا ہر ایک پر آشکار ہونا ایک فطری امر تھا، سو اس کی شہرت ہوگئی۔ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نو عمر معصوم بچے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی گھر میں حضرت خدیجۃ الکبريٰ رضی اﷲ عنھا کی طرح پہلے ہی دن سے اسلام قبول کر لیا۔ اغلباً ممکن ہے کہ زمانی اوليّت کے اعتبار سے حضرت خدیجۃ الکبريٰ رضی اللہ عنھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی سب پر مقدم ہوں مگر اعلانی اوليّت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقدم ہوں۔

مکہ معظمہ میں اسلام کا پہلا تعلیمی اور تبلیغی مرکز کوہِ صفا کے دامن میں واقع دارِارقم تھا، اسی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس فرماتے۔ ابھی مسلمانوں کی تعداد 39 تک پہنچی تھی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ کفار کے سامنے دعوتِ اسلام اعلانیہ پیش کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع فرمانے کے باوجود انہوں نے اصرار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرما دی۔

’’سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ پس آپ ہی وہ پہلے خطیب (داعی) تھے جنہوں نے (سب سے پہلے) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوگوں کو بلایا۔‘‘

اسی بنا پر آپ کو اسلام کا ’’خطیب اوّل‘‘ کہا جاتا ہے۔ نتیجتاً کفار نے آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور آپ کو اس قدر زد و کوب کیا کہ آپ خون میں لت پت ہو گئے، انہوں نے اپنی طرف سے آپ کو جان سے مار دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، جب انہوں نے محسوس کیا کہ شاید آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے تو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ کے خاندان کے لوگوں کو پتہ چلا تو وہ آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے اور آپس میں مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ ہم اس ظلم و تعدی کا ضرور بدلہ لیں گے لیکن ابھی آپ کے سانس اور جسم کا رشتہ برقرار تھا۔

آپ کے والدِ گرامی ابو قحافہ، والدہ اور آپ کا خاندان آپ کے ہوش میں آنے کے انتظار میں تھا، مگر جب ہوش آیا اور آنکھ کھولی تو آپ رضی اللہ عنہ کی زبانِ اقدس پر جاری ہونے والا پہلا جملہ یہ تھا کہ رسول اﷲ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟‘‘

تمام خاندان اس بات پر ناراض ہو کر چلا گیا کہ ہم تو اس کی فکر میں ہیں اور اسے کسی اور کی فکر لگی ہوئی ہے۔ آپ کی والدہ آپ کو کوئی شے کھانے یا پینے کے لئے اصرار سے کہتیں، لیکن اس عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر مرتبہ یہی جواب ہوتا، کہ اس وقت تک کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک مجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر نہیں مل جاتی کہ وہ کس حال میں ہیں۔ لختِ جگر کی یہ حالتِ زار دیکھ کر آپ کی والدہ کہنے لگیں :خدا کی قسم! مجھے آپ کے دوست کی خبر نہیں کہ وہ کیسے ہیں؟‘‘آپ رضی اللہ عنہ نے والدہ سے کہا کہ حضرت اُمِ جمیل رضی اللہ عنہا بنت خطاب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے پوچھ کر آؤ۔ آپ کی والدہ امِ جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ماجرا بیان کیا۔ چونکہ انہیں ابھی اپنا اسلام خفیہ رکھنے کا حکم تھا اس لئے انہوں نے کہا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے دوست محمد بن عبداللہ کو نہیں جانتی۔ ہاں اگر تو چاہتی ہے تو میں تیرے ساتھ تیرے بیٹے کے پاس چلتی ہوں۔ حضرت اُمِ جمیل رضی اللہ عنہا آپ کی والدہ کے ہمراہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں تو ان کی حالت دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور کہنے لگیں :**.**’’مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اُن سے تمہارا بدلہ لے گا۔‘‘آپ نے فرمایا! ان باتوں کو چھوڑو مجھے صرف یہ بتاؤ :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟‘‘

انہوں نے اشارہ کیا کہ آپ کی والدہ سن رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا : فکر نہ کرو بلکہ بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا :آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محفوظ اور خیریت سے ہیں۔‘‘پوچھا :آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اس وقت) کہاں ہیں؟‘‘انہوں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دارِ ارقم میں ہی تشریف فرما ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا میں اس وقت تک کھاؤں گا نہ کچھ پیوں گا جب تک کہ میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان آنکھوں سے بخیریت نہ دیکھ لوں۔‘‘شمعِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پروانے کو سہارا دے کر دارِ ارقم لایا گیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عاشقِ زار کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھ کر تھام لیا اور اپنے عاشقِ زار پر جھک کر اس کے بوسے لینا شروع کر دیئے۔ تمام مسلمان بھی آپ کی طرف لپکے۔ اپنے یارِ غمگسار کو زخمی حالت میں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عجیب رقت طاری ہو گئی۔اُنہوں نے عرض کیا کہ میری والدہ حاضر خدمت ہیں، ان کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دولتِ ایمان سے نوازے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اور وہ دولتِ ایمان سے شرف یاب ہوگئیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کس طرح چہرہ نبوت کے دیدارِ فرحت آثار سے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کیا کرتے تھے اور ان کے نزدیک پسند و دلبستگی کا کیا معیار تھا، اس کا اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یارِ غار سے متعلق درج ذیل روایت سے بخوبی ہو جائے گا :

ایک مرتبہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے تمہاری دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں : خوشبو، نیک خاتون اور نماز جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی عرض کیا : یا رسول اللہ! مجھے بھی تین ہی چیزیں پسند ہیں :

’’آپ صلی اﷲ عليک وسلم کے چہرۂ اقدس کو تکتے رہنا، اللہ کا عطا کردہ مال آپ صلی اﷲ عليک وسلم کے قدموں پر نچھاور کرنا اور میری بیٹی کا آپ صلی اﷲ عليک وسلم کے عقد میں آنا۔‘‘

جب انسان خلوصِ نیت سے اللہ تعالیٰ سے نیک خواہش کا اظہار کرتا ہے تو وہ ذات اپنی شانِ کریمانہ کے مطابق اُسے ضرور نوازتی ہے۔ اس اصول کے تحت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی تینوں خواہشیں اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دیں۔

آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اﷲ عنہا کو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نکاح میں قبول فرما لیا۔ آپ کو سفر و حضر میں رفاقتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصیب رہی یہاں تک کہ غارِ ثور کی تنہائی میں آپ کے سوا کوئی اور زیارت سے مشرف ہونے والا نہ تھا، اور مزار میں بھی**أوصلوا الحبيب إلی الحبيب** کے ذریعے اپنی دائمی رفاقت عطا فرما دی۔ اسی طرح مالی قربانی اس طرح فراوانی کے ساتھ نصیب ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :مجھے جس قدر نفع ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا ہے اتنا کسی اور کے مال نے نہیں دیا۔‘‘دوسرے مقام پر مال کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحبت کا ذکر بھی فرمایا :لوگوں میں سے مجھے اپنی رفاقت دینے اور اپنا مال خرچ کرنے کے لحاظ سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔‘‘حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی والہانہ محبت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اﷲ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والد گرامی سارا دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے، جب عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر گھر آتے تو جدائی کے یہ چند لمحے کاٹنا بھی اُن کے لئے دشوار ہو جاتا۔ وہ ساری ساری رات ماہی بے آب کی طرح بیتاب رہتے، ہجر و فراق کی وجہ سے ان کے جگرِ سوختہ سے اس طرح آہ نکلتی جیسے کوئی چیز جل رہی ہو اور یہ کیفیت اس وقت تک رہتی جب تک وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کو دیکھ نہ لیتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وصال کا سبب بھی ہجر و فراقِ رسول ہی بنا۔ آپ کا جسم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے صدمے سے نہایت ہی لاغر ہو گیا تھا، حتی کہ اسی صدمے سے آپ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے : ایک رات آپ عوام کی خدمت کے لیے رات کو نکلے تو آپ نے ایک گھر میں دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور ایک بوڑھی خاتون اُون کاتتے ہوئے ہجر و فراق میں ڈوبے ہوئے کچھ اشعار پڑھ رہی تھی جس کا مفہوم یہ تھا :

’محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کے تمام ماننے والوں کی طرف سے سلام ہو اور تمام متقین کی طرف سے بھی۔ آپ راتوں کو اللہ کی یاد میں کثیر قیام کرنے والے اور سحری کے وقت آنسو بہانے والے تھے۔ ہائے افسوس! اسبابِ موت متعدد ہیں، کاش مجھے یقین ہوجائے کہ روزِ قیامت مجھے آقاں کا قرب نصیب ہوسکے گا۔‘‘

یہ اشعار سن کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو بے اختیار اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد آ گئی اور وہ زار و قطار رو پڑے۔

’’انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ خاتون نے پوچھا : کون؟ آپ نے کہا : عمر بن الخطاب۔ خاتون نے کہا : رات کے ان اوقات میں عمر کو یہاں کیا کام؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اللہ تجھ پر رحم فرمائے، تو دروازہ کھول تجھے کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ اس نے دروازہ کھولا : آپ اندر داخل ہوگئے اور کہا کہ جو اشعار تو ابھی پڑھ رہی تھی انہیں دوبارہ پڑھ۔ اس نے جب دوبارہ اشعار پڑھے تو آپ کہنے لگے کہ اس مسعود و مبارک اجتماع میں مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرلے اور یہ کہہ کہ ہم دونوں کو آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نصیب ہو اور اے معاف کرنے والے عمر کو معاف کر دے۔‘‘

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے بعد چند دن تک صاحبِ فراش رہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم آپ کی عیادت کے لئے آتے رہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے نزدیک یہی ایمان تھا اور یہی دین کہ وہ کسی بھی شئے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کے بغیر اپنا تعلق قائم نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج پر آئے، طواف کیا اور حجرِاسود کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ اس سے فرمانے لگے : میں جانتا ہوں بیشک تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔‘‘

یہ کلمات ادا کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔

سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اﷲ عنھم کا دیدارِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منفرد اعزاز

صدیقِ باوفا رضی اللہ عنہ کو سفرِ ہجرت میں رفاقتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعزاز حاصل ہوا، جبکہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ مرادِ رسول ہونے کے شرفِ لازوال سے مشرف ہوئے۔ ان جلیل القدر صحابہ کو صحابہ رضی اللہ عنھم کی عظیم جماعت میں کئی دیگر حوالوں سے بھی خصوصی اہمیت حاصل تھی۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

عشاقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نسبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو منفرد اعزاز عطا ہوا اس کا مظاہرہ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر دیکھنے میں آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنا سفیر بنا کر مکہ معظمہ بھیجا کہ کفار و مشرکین سے مذاکرات کریں۔ کفار نے پابندی لگا دی تھی کہ اس سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سفیرِ رسول بن کر مذاکرات کے لئے حرمِ کعبہ پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ اس سال آپ لوگ حج نہیں کر سکتے، تاہم کفارِ مکہ نے بزعم خویش رواداری برتتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چونکہ تم آگئے ہو، اس لئے حاضری کے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اگر چاہو تو ہم تمہیں طواف کی اجازت دیتے ہیں لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے کفار کی اس پیشکش کو بڑی شان بے نیازی سے ٹھکرا دیا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر طواف کرنا انہیں گوارا نہ ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر لگی لپٹی رکھے کہا :

’’میں اس وقت تک طوافِ کعبہ نہیں کروں گا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف نہ کرلیں۔‘‘

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس عمل سے دشمنانِ اسلام کو جتلا دیا کہ ہم کعبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے پر کعبہ مانتے ہیں اور اس کا طواف بھی اس لئے کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا طواف کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کعبے سے اپنی جذباتی وابستگی اور عقیدت کو اہمیت نہ دی حالانکہ اس کے دیدار کے لئے وہ مدت سے ترس رہے تھے اور ہجرت کے چھ سات سال بعد انہیں یہ پہلا موقع مل رہا تھا۔ اگر وہ طواف کر بھی لیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس سے منع نہیں کیا تھا لیکن ان کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت نسبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی جس کے بغیر وہ کسی عمل کو کوئی وقعت دینے کے لئے تیار نہ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہی نسبت ان کے ایمان کی بنیاد تھی۔

حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلقِ عشقی خودسپردگی اور وارفتگی کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ کتبِ احادیث میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر گوشت کا لقمہ تناول کرنے لگے۔ لوگوں نے پوچھا : حضرت! یہ دروازہ گزرگاہِ عام ہے، یہاں بیٹھ کر کھانا چہ معنی دارد؟ دیکھنے والے کیا سمجھیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جواب میں فرمانے لگے : مجھے اور تو کچھ خبر نہیں، بس اتنا پتہ ہے کہ ایک بار میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا تھا، میں تو اس سنت پر عمل کر رہا ہوں اور اس وقت حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی ادا میرے پیشِ نظر ہے۔

ایک دفعہ وضو کے بعد بغیر کسی وجہ کے مسکرانے لگے۔ کسی نے پوچھا : آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں جبکہ کسی سے گفتگو اور مکالمہ بھی نہیں۔ فرمانے لگے : مجھے کسی سے کیا غرض! میں نے تو ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح وضو کرنے کے بعد مسکراتے دیکھا تھا، میں تو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی ادا کو دہرا رہا ہوں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے :

مجھے کیا خبر تھی رکوع کی، مجھے ہوش کب تھا سجود کا  
ترے نقشِ پاکی تلاش تھی کہ میں جھک رہا تھا نماز میں

 حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی تربیت براہِ راست آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی۔ بچوں میں سب سے پہلے دامنِ اسلام سے وابستہ ہونا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقدر میں لکھا گیا تھا۔ اس مقام پر سیدنا علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے اس قول کا ذکر ضروری ہے جس میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی لذت آفرین کیفیت کو بیان کر کے ثابت کر دیا کہ عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچم سر بلند کرنا اور اطاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قندیل دل میں روشن رکھنا ہی ایمان کی اساس ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اﷲ علیہ لکھتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا :آپ (صحابہ کرام) کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر محبت تھی؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :’’اللہ کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اپنے اموال، اولاد، آباء و اجداد اور امہات سے بھی زیادہ محبوب تھے اور کسی پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے جو محبت ہوتی ہے ہمیں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بھی بڑھ کر محبوب تھے۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا معمول تھا کہ وہ زیارتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواقع تلاش کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اقدس کی خوشبو انہیں بتا دیتی کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرف گئے ہیں۔ وہ آسانی سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراغ لگا لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کی تابانیوں میں اپنی روح و جان کے ساتھ بھیگ جاتے۔ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستگی اور تقرب کا حال جاننے کے لئے یہ روایت ملاحظہ فرمائیے :

**سورج کا پلٹنا اور نمازِ عصر کی ادائیگی**

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ غزوہء خیبر کے دوران قلعہ صہباء کے مقام پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سرِ انور رکھ کر اِستراحت فرما رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابھی نمازِ عصر ادا نہیں کی تھی۔ اس وقت چاہتے تو عرض کر دیتے کہ حضور صلی اﷲ علیک وسلم! تھوڑی دیر توقف فرمائیے کہ میں عصر کی نماز پڑھ لوں، پھر حاضرِ خدمت ہوجاتا ہوں۔

عقل سود و زیاں کے چکر میں اُلجھی رہتی ہے جب کہ عشق بے خطر آگ میں کود کر اُسے گل و گلزار میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق منزل کو پالیتا ہے اور عقل گردِ سفر میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ’’عقل قرباں کن بہ پیشِ مصطفیٰ‘‘ کا مظہر بنتے ہوئے اپنی نماز محبوب کے آرام پر قربان کر دی، جس کے نتیجے میں اس کشتۂ آتشِ عشق اور پیکرِ وفا کو وہ نماز نصیب ہوئی جو کائناتِ انسانیت میں کسی دوسرے کا مقدر نہ بن سکی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تو کب سے موقع کے متلاشی تھے کہ انہیں آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت اور قرب نصیب ہو۔ وہ ایسا نادر موقع کیونکر ہاتھوں سے جانے دیتے، وہ تو زبان حال سے کہہ رہے ہوں گے :

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں  
نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

چنانچہ انہوں نے موقع غنیمت جانا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِانور کے لئے اپنی گود بچھا دی، جس پر آپ انے اپنا مبارک سر رکھا اور اِستراحت فرمانے لگے۔ اب نہ جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اور نہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا کہ نماز عصر ادا ہوئی کہ نہیں؟

اِدھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی خوش بختی کے کیف میں آفتابِ نبوت کو تکے جا رہے تھے اور ادھرآفتابِ جہاں تاب اپنی منزلیں طے کرتا ہوا غروب ہوتا جا رہا تھا۔ جب ان کی نظر ڈوبتے سورج پر پڑی تو چہرۂ اقدس کا رنگ متغیر ہونے لگا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ کبھی نگاہ سورج پر ڈالتے اور کبھی محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخِ زیبا پر۔ کبھی مائل بہ غروب سورج کو تکتے تو کبھی آفتابِ رسالت کے طلوع کا منظر دیکھتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سورج ڈوب چلا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدا ر ہوئے تو دیکھا کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پریشانی کے عالم میں محوِ گریہ ہیں۔ پوچھا : کیا بات ہوئی؟ عرض کیا : آقا! میری نمازِ عصر رہ گئی ہے۔ فرمایا : قضا پڑھ لو۔ انہوں نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، جو زبانِ حال سے یہ کہہ رہی تھیں کہ آپ رضی اللہ عنہ لی اﷲ علیک وسلم کی غلامی میں نماز جائے اور قضا پڑھوں؟ اگر اس طرح نماز قضا پڑھوں تو پھر ادا کب پڑھوں گا؟

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ قضا نہیں بلکہ نماز ادا ہی کرنا چاہتا ہے تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے، اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں دستِ اقدس دعا کے لئے بلند کر دیئے اور عرض کیا :

’’اے اللہ ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مصروف تھا (کہ اس کی نماز قضا ہو گئی)، پس اس پر سورج کو پلٹا دے (تاکہ اس کی نماز ادا ہو)۔‘‘

نماز وقت پر ادا کرنا اللہ کی اطاعت ہے لیکن یہاں تو نماز قضا ہو گئی تھی اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قضا کو اﷲ کی اطاعت قرار دے رہے تھے۔ کیا معاذ اللہ آرام اللہ پاک فرما رہا تھا؟ نہیں، وہ تو آرام سے پاک ہے۔ کیا نیند اللہ کی تھی؟ نہیں، وہ تو نیند سے بھی پاک ہے۔ آرام حضور علیہ السلام کا تھا، نیند حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی، علی رضی اللہ عنہ کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند پر قربان ہو گئی۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ ’’اے اللہ! علی تیرے رسول کی اطاعت میں مصروف تھا‘‘، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے اطاعت کا مفہوم بھی واضح ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گری جیسی بھی ہو رب کی اطاعت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مصروف تھے اس لئے ان کی قضا بھی اطاعتِ الٰہی قرار پائی۔ فاضل بریلوی رحمۃ اﷲ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے :

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں  
اصل الاصول بندگی اُس تاجور کی ہے

حدیثِ مبارک میں مذکور ہے کہ جب آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دستِ اقدس دعا کے لئے بلند فرمائے تو ڈوبا ہوا سورج اس طرح واپس پلٹ آیا جیسے ڈوبا ہی نہ ہو۔ یہ تو ایسے تھا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں میں ڈوریاں ہوں جنہیں کھینچنے سے سورج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کھنچا آرہا ہو۔ یہاں تک کہ سورج عصر کے وقت پر آگیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی۔

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی  
نماز اُس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

حسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے، ابو عمارہ ان کی کنیت تھی اور وہ عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو چار سال بڑے تھے۔ ابو لہب کی لونڈی ثویبہ نے انہیں بھی دودھ پلایا تھا، اس حوالے سے یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے تو تحریکِ اسلامی کے اراکین کو ایک ولولۂ تازۂ عطا ہوا۔ آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ بڑا ہی ایمان افروز ہے جس سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی حق گوئی، جرات اور بے باکی کا پتہ چلتا ہے۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو داعئ اعظم کی حیثیت سے فریضۂ تبلیغ سرانجام دیتے ہوئے چھ سال ہو گئے تھے لیکن کفار و مشرکینِ مکہ کی اکثریت نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ حق پر کان نہیں دھرتی تھی بلکہ انہوں نے شہر مکہ کو قریۂ جبر بنا رکھا تھا اور مسلمانوں پر جو اقلیت میں تھے عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا تھا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ صرف دشنام طرازیوں اور طعن و تشنیع کا ہدف بنایا جاتا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے منصوبے تک بنائے جا رہے تھے۔ پورے مکہ کی فضا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کی پیاسی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابھی شرفِ اسلام سے محروم تھے۔ وہ شمشیر زنی، تیراندازی اور شکار و تفریح کے مشاغل میں اس قدر مشغول تھے کہ دعوتِ اسلام پر غور کرنے کی فرصت ہی نہ مل سکی تھی۔

ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوہِ صفا (یا ایک روایت کے مطابق حجون) کے مقام سے گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلا رہے تھے کہ ابوجہل بھی ادھر آنکلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپے سے باہر ہوگیا۔ وہ بدبخت اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہذیان بکنے لگا، لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبینِ اقدس پر ایک بھی شکن نمودار نہ ہوئی۔ ابوجہل گالیاں بکتا رہا، حروفِ ناروا اُس کی گندی زبان سے کانٹوں کی طرح گرتے رہے۔ اس بدبخت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جسمانی اذیت کا نشانہ بھی بنایا لیکن تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبِ اقدس پر حرفِ شکوہ تک نہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے اور اس کی ہرزہ سرائی و اذیت رسانی پر کمال صبر و تحمل سے کام لیا۔ ایک عورت اپنے گھر میں بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے لوٹے تو اس خاتون سے نہ رہا گیا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی : کاش آپ تھوڑی دیر پہلے یہاں ہوتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ ابوجہل نے آپ کے بھتیجے سے کتنا برا سلوک کیا ہے، انہیں گالیاں دی ہیں اور اُن پر ہاتھ بھی اٹھایا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر طیش میں آ گئے، چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور کہنے لگے : ابوجہل کی یہ جرات کہ اُس نے میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ہاتھ اٹھایا ہے، تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے خانہ کعبہ میں پہنچے، ابوجہل کو دیکھا کہ کفار و مشرکین کی ایک مجلس میں بیٹھا لاف زنی کر رہا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ابوجہل کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو گئے اور اس کی دریدہ دہنی اور شرارت کی سزا دینے کے لئے اپنی کمان اس کے سر پر دے ماری، جس سے اُس بدبخت شاتمِ رسول کا سر پھٹ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا اور کہا : ابوجہل! تیری یہ ہمت کہ میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالی دے اور ان سے بدسلوکی کرے۔ اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا باطن نورِ ایمان سے روشن ہو گیا اور ان کے مقدر کا ستارا اوجِ ثریا پر چمکنے لگا، اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنکھوں میں غیرتِ ایمانی کا چراغ بن کر جل اٹھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابوجہل سے کہنے لگے :

’’کیا تو (میرے بھتیجے) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالیاں دیتا ہے؟ میں (بھی اُن کے دین پر ہوں اور) وہی کہتا ہوں جو وہ فرماتے ہیں، میرا راستہ روک سکتے ہو تو روک کر دیکھو۔‘‘

اور پھر چشمِ فلک نے وہ منظر بھی دیکھا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہونے کے لئے آ رہے تھے تو اصحابِ رسول کو تردد ہوا لیکن جان نثارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پورے اعتماد سے گویا ہوئے کوئی بات نہیں، عمر آتا ہے تو اُسے آنے دو، اگر نیک ارادے سے آیا ہے تو ٹھیک اور اگر برے ارادے سے آیا ہے تو اس کی تلوار ہی سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔

# ساتواں ہفتہ تحریک ختم نبوت میں علماء و مشائخ کا کردار

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمتہ اﷲ علیہ کو نبی کریم صلی اﷲ علیہ وسلم کا حکم حجاز کے مبارک سفر مکہ مکرمہ میں حاجی امداد اﷲ مہاجر مکی رحمتہ اﷲ علیہ سے ملاقات ہوئی جو ایک صحیح صاحب کشف انسان تھے۔ جب ان کو میری آزاد اور بے باک طبیعت کا علم ہوا تو شدید اصرار اور تاکید سے حکم دیا کہ چونکہ عنقریب ہندوستان میں ایک فتنہ (قادیانی) ظاہر ہونے والا ہے لہذا تم وطن واپس چلے جائو اگر تم بالفرض خاموش بھی رہوگے تو بھی یہ فتنہ ترقی نہیں کرسکے گااور اس طرح ملک میں آرام رہے گا چنانچہ میں پورے وثوق کے ساتھ حاجی صاحب کے اس کشف کو مرزا قادیانی کے فتنہ سے تعبیر کرتا ہوں اور آنحضرت صلی اﷲ علیہ وسلم نے بھی خواب میں مجھے حکم دیا ہے کہ یہ مرزا قادیانی غلط تاویل کی قینچی سے میری احادیث کے ٹکڑے ٹکڑے کررہا ہے اور تو خاموش ہے۔ اس کے بعد جو کچھ لکھا گیا وہ عام لوگوں کی خیر خواہی کے لئے لکھا گیا۔ اس لئے کہ فساد عقائد لوگوں کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کتاب و سنت ائمہ کرام اور امت مرحومہ کے علماء کے صحیح عقائد کی بنیاد پر اس کی حقیقت کو آشکار کیا   
پیر سید مہر علی شاہ رحمتہ اﷲ علیہ نے اپنے حجرے میں آنکھیں بند کیں اور دیکھا کہ آنحضرت صلی اﷲ علیہ وسلم قعدے کی حالت میں جلو فرما ہیں۔ حضور علیہ السلام سے چار بالشت کے فاصلے پر پیر صاحب باادب بیٹھے ہیں لیکن مرزا غلام احمد اس جگہ سے دور حضور صلی اﷲ علیہ وسلم کی طرف پیٹھ کئے بیٹھا ہے  
مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت پر حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمتہ اﷲ علیہ کا پانچ نکاتی بیان  
1۔ سچا نبی کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوتا‘ اس کا علم لدنی ہوتا ہے۔ وہ روح قدس سے تعلیم پاتا ہے۔ بلاواسطہ اس کی تعلیم و تعلم خداوند قدس سے ہوتی ہے۔ جھوٹا نبی اس کے برخلاف ہوتا ہے۔  
2۔ ہر سچا نبی اپنی عمر کے چالیس سال گزرنے کے بعد یکدم اپنے رب العالمین مخلوق سے روبرو دعویٰ نبوت کردیتا ہے۔ اور بتدریج آہستہ آہستہ اس کو درجہ نبوت ملتا ہے وہ نبی ہوتا ہے۔ وہ پیدائش سے نبی ہوتا ہے جھوٹا نبی برخلاف اس کے آہستہ آہستہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ پہلے محدث مجرد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔  
3۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم الانبیاء تک جتنے نبی ہوئے تمام کے نام منفرد تھے‘ کسی سچے نبی کا نام مرکب نہ تھا۔ برعکس اس کے جھوٹے نبی کا نام مرکب تھا۔  
4۔ سچا نبی کوئی ترکہ نہیں چھوڑتا ہے اور جھوٹا نبی ترکہ چھوڑ کر مرتا ہے اور اولاد کو محروم الارث کرتا ہے۔  
5۔ مرزائی جو مرزا غلام احمد کے پیرو ہیں‘ وہ ختم نبوت کے قائل نہیں اور حضور علیہ السلام کی رسالت و نبوت میں کمی کرنے والے ہیں اور حضور علیہ الصلواۃ و السلام کے مدارج کو مرزا غلام احمد کے لئے مانتے ہیں   
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اﷲ علیہ کا فتویٰ  
آپ فرماتے ہیں کہ قادیانی مرتد و منافق ہیں۔ مرتد منافق وہ کہ کلمہ اسلام اب بھی پڑھتا ہے۔ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے اور پھر اﷲ تعالیٰ اور رسول صلی اﷲ علیہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرنا یا ضروریات دین میں سے کسی شے کا منکر ہے۔ اس کا ذبیح محض نجس مردار حرام قطعی ہے۔ مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سبب قادیانیوں کو مظلوم سمجھنے والا اور جس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم اور ناحق سمجھنے والا اسلام سے خارج ہے اور جو کافر کو کافر نہ کہے‘ وہ بھی کافر ہے   
اور فرمایا کہ اس صورت میں فرض قطعی ہے کہ تمام مسلمان موت و حیات کے سب علاقے اس سے قطع کرلیں۔ بیمار پڑنے پر پوچھنے کو جانا حرام‘ مرجائے تو جنازے پر جانا حرام ہے۔ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا حرام ہے‘ اس کی قبر پر جانا حرام ہے   
نگاہ ولایت اور قادیانی کذاب کا دعویٰ نبوت  
مرزا غلام احمد قادیانی ایک روز مولانا پیر سید حسن شاہ صاحب قادری رحمتہ اﷲ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے اسے ہدایت فرمائی کہ عقائد اسلام پر ثابت قدم رہے اور خواہشات نفسانیہ اور ہوائے شیطانیہ کا غلام نہ بن جائے۔ جب یہ کلام حافظ عبدالوہاب صاحب (جو حضرت کے شاگرد اور مرید اور یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے‘ نے سنا تو عرض کیا حضور آپ نے اسے اس طرح ہدایت فرمائی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد فرمایا کچھ مدت بعد اس شخص (غلام احمد) کادماغ خراب ہوجائے گا اور یہ نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ کیونکہ مجھے اﷲ تعالیٰ کی عطا سے معلوم ہوا ہے کہ قادیان سے قرن شیطان کا ظہور ہوگا اور وہ نبوت کا دعویٰ کرے گا   
اس پیشن گوئی کے چھتیس سال بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیحیت و نبوت کا دعویٰ اگل دیا ،،  
راولپنڈی میں منعقدہ مشائخ کانفرنس کے موقع پر شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمتہ اﷲ علیہ کے خطاب سے اقتباس قادیانی مسئلہ:  
کہا جاتا ہے کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دو۔ اقلیت تو ذمیوں کو کہا جاتا ہے جو شخص اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے وہ کافر نہیں‘ وہ مرتد ہے اور مرتد کی سزا شریعت میں قتل ہے۔ اگر میرے ہاتھ میں حکومت ہوتی تو میں قادیانیوں کا فیصلہ شریعت کے مطابق کرتا جس کی نظیر سیدنا صدیق اکبر رضی اﷲ عنہ نے قائم کی تھی   
امیر شریعت جانشین شیخ الاسلام خواجہ محمد حمید الدین سیالوی مدظلہ صدر مرکز الدعوۃ الاسلامیہ نے پہلی سالانہ عظمت تاجدار ختم نبوت کانفرنس کے موقع پر فرمایا۔  
قادیانیت عالم اسلام کے اتحاد میں زبردست رکاوٹ ہے۔ اس کا قلع قمع کئے بغیر ملت اسلامیہ کا وجود خطرے میں ہے۔ قادیانیت اسلام دشمن طاقتوں کی گہری سازش ہے اس بدترین ناسور کے خلاف جہاد مسلمانوں کا اہم ترین فریضہ ہے

استاذالحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپورحضرت علامہ سید احمدکاظمی صاحب  
استاذالحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپورحضرت علامہ سید احمدکاظمی صاحب نے بر صغیر کے مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کے قیام کے لئے بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مسلم لیگ کے سٹیج سے قیام پاکستان کی توثیق کے لئے بنارس کانفرنس میں شرکت کی۔ جس زمانہ میں کانگریسی اور احراری علماء سر دھڑ کی بازی لگا کر پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے، اس وقت حضرت علامہ کاظمی صاحب، حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی، پیر سید جماعت علی شاہ صاحب، مولانا ابو الحسنات، مولانا عبد الحامد بدایونی اور مولانا عبد الغفور ہزاروی رحمہم اللہ تعالیٰ کی رفاقت میں الگ قومیت اور آزادیٔ پاکستان کے لئے سعیٔ مسلسل اور جہد پیہم کر رہے تھے۔  
قیام پاکستان کے بعد حضرت علامہ کاظمی صاحب نے نئے حالات کا جائزہ لیا اور دیکھا کہ وہ لوگ جو کل تک پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے، پاکستان بننے کے بعد انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی اور دیکھتے دیکھتے وہ حکومت کی نظر میں سرمۂ چشم بن کر سما گئے۔ اس وقت آپ نے مسلمانوں کے اتحاد اور تنظیم کی ضرورت محسوس کی تاکہ مسلمانوں کو سیاسی استحکام اور قوت حاصل ہو۔ اس مقصد کے لئے آپ نے مولانا ابو الحسنات سے خط و کتابت کی اور ان پر تشکیل جمعیت کے لئے زور ڈالتے رہے۔ نیز آپ نے پاکستان کے تمام علماء کے نام خط لکھے۔ تا آنکہ مارچ ۱۹۴۸ء میں تمام علماء ملتان میں جمع ہوئے، جن میں حضرت مولانا ناصر جلالی (کراچی) علامہ عبد الغفور ہزاروی (وزیر آباد) مولانا ابو النور محمد بشیر (سیالکوٹ) مولانا ابو الحسنات (لاہور) اور مولانا غلام جہانیاں (ڈیرہ غازی خان) کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

ملتان کے اجلاس میں مسلمانوں کی تنظیم کا نام جمعیۃ العلماء پاکستان تجویز کیا گیا اور حضرت علامہ مولانا ابو الحسنات کو جمعیت کا صدر اور حضرت علامہ کاظمی صاحب کو جمعیت کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

حضرت علامہ کاظمی نے اپنی نظامت کے دوران مسلمانوں کے اتحادکو بے حد فروغ دیا اور جمعیت کے ذریعے ملک و ملت کی بیش از بیش خدمات انجام دیں۔ جہادِ کشمیر، دستور سازی، تحریک تحفظ ختم نبوت، تبلیغ و اشاعت، سیلاب زدگان کی مدد، غرض ہر خدمت اور ضرورت کے موقع پر آپ نے جمعیت کے پرچم کو سربلند رکھا

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری رحمتہ اﷲ علیہ:  
قادیانیت‘ منکرین ختم نبوت کا ایسا گروہ ہے جسے انگریز نے عالم اسلام کی بیخ کنی کے لئے خود کاشت کیا اور پھر اس کے تمام مفادات کا تحفظ کیا۔ یہ لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے باعث دن رات پوری امت مسلمہ اسلام اور وطن عزیز کے خلاف تباہ کن ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔ یہ مار آستین ہیں۔ یہ لوگ بیرونی ممالک میں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام دشمن طاقتوں کی جاسوسی‘ اسلام کے تخریب اور پاکستان کی جڑیں کاٹنے کا کام کرتے ہیں۔ عالم اسلام کے اول دشمن اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب میں ان کا مشن پوری سرگرمی سے کام کررہا ہے۔ اسرائیل کی فوج میں باقاعدہ قادیانی موجود ہیں۔ ان حالات میں اس فتنہ کے تدارک کی ذمہ داری امت محمدیہﷺ کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔ قادیانیت کے خلاف خواص و عوام میں ایک نیا شعور پیدا ہورہا ہے جس سے قادیانیت کی زہرناکیوں اور ریشہ دوانیوں کے خلاف نفرت کا احساس عام ہورہا ہے۔(سابقہ جج سپریم کورٹ آف پاکستان سجادہ نشین آستانہ عالیہ بھیرہ شریف سرگودھا)  
شیخ الحدیث حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی رحمتہ اﷲ علیہ:  
خاتم النبین  
الیوم اکملت لکم دینکم:  
آج ہم نے تمہارا دین مکمل کردیا۔  
اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا (سورہ مائدہ) یہ آیت 9ذی الحجہ 01ھ کو نازل ہوئی۔ اس بشارت میں یہ اشارہ تھا کہ دین کی عمارت میں کسی نہ کسی اینٹ کی ضرورت تھی جو حضورﷺ کے وجود سے کامل و مکمل ہوگئی۔ ایسی کہ اب اس میں کوئی جگہ باقی نہ رہی۔  
ولکن رسول اﷲ وخاتم النبین (احزاب)  
کہ حضورﷺ نبیوں کے خاتم ہیں۔ حضور علیہ السلام نے خاتم کی معنی خود متعدد احادیث میں بیان فرمادیئے۔  
انا خاتم النبین لانبی بعدی  
میں انبیاء کا خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔  
تکمیل دین اور ختم نبوت کو بطور تمثیل بیان کرتے ہوئے حضورﷺ نے فرمایا۔ میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنایا‘ جسے دیکھ کر لوگ اس کی عمدگی خوبصورتی کی تعریف کریں لیکن اس محل کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو جسے دیکھ کر لوگ یہ کہیں اگر اس جگہ کو بھی پورا کردیا جاتا تو خوب ہوتا۔ اس کے بعد حضورﷺ نے فرمایا۔  
تو میں وہی آخری اینٹ ہوں  
وانا خاتم النبین فختمت لانبیاء  
میں پیغمبر کا خاتم ہوں تو پیغمبری کا سلسلہ ختم ہوگیا (بخاری‘ مسلم)  
حضورﷺ نے دیگر انبیاء کے مقابلے میں اپنے مخصوص فضائل میں ختم نبوت کا ذکر نمایاں طور پر فرمایا ہے۔ نبوت مجھے پر ختم کردی گئی (مسلم) میں پیغمبروں کا اس وقت بھی خاتم تھا جبکہ آدم پانی اور مٹی میں پڑے ہوئے تھے (کنزالعمال ص 104 ج 6)  
لفظ خاتم کے معنی آپ نے خود فرمادیئے (آخری نبی) اور حضورﷺ کے بعد نبی کے پیدا ہونے کے امکان کو خود حضورﷺ نے ختم فرمادیا۔ اے علی تم اس بات پر خوش نہیں کہ تم میں اور مجھ میں وہ نسبت ہے جو ہارون اور موسیٰ میں تھی۔  
الا انہ لیس نبی بعدی (بخاری)  
مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔  
حضور ﷺخاتم النبین نے فرمایا۔ بنی اسرائیل کی نگرانی اور سیاست انبیاء کرتے تھے‘ جب ایک نبی وصال فرماتا تو دوسرا نبی پیدا ہوجاتا اور… میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوسکتے تھے۔ اس حدیث میں لوکان کا لفظ ہے۔ لو امر محال کے لئے آتا ہے جس سے واضح ہوا کہ حضورﷺ کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا محال ہے۔ میرے پانچ نام ہیں۔ محمد‘ احمد‘ ماحی‘ خدا میرے ذریعے کفر کو مٹائے گا۔ حاشر‘ خدا میرے جھنڈے تلے بروز حشر ساری مخلوق کو جمع فرمائے گا اور میں عاقب ہوں۔  
الذی لیس بعدہ نبی (آخری) ہوں جس کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔  
رسالت و نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ میرے بعد نہ کوئی رسول نہ کوئی نبی۔ اس لئے جو شخص بھی حضورﷺ کے بعد کسی بھی تاویل سے نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر مرتد دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ جیسے مرزا قادیانی۔ اور اسے نبی کو مانے والے۔ جیسے احمدی اور اس کے مسیح بزرگ یا مسلمان ماننے والے۔ جیسے لاہوری مرزائی یہ سب کافر‘ مرتد دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان سے میل جول سلام‘ کلام‘ محبت‘ نکاح وغیرہ سخت حرام ہے۔ ان کا ذبح کیا ہوا جانور مردار ہے۔ معاذ اﷲ کسی لڑکی کا مرزائی سے نکاح خالص زنا ہے۔ اسی طرح مرزائی لڑکی سے کسی مسلمان لڑکے کا نکاح فاسد و باطل ہے۔ مرزائی احمدی ہوں یا لاہوری ان کے ہوٹلوں میں پکا ہوا گوشت مردار حرام ناپاک ہے اور گوشت کے علاوہ دیگر اشیاء مکروہ ہیں۔  
امام احمد رضا اور تحفظ عقیدہ ختم نبوت  
برصغیر پاک و ہند میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے خانوادے نے منکرین ختم نبوت اور قادیانیت کا رد کیا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے مرزا قادیانی کو صرف کافر ہی نہیں قرار دیا بلکہ اس کو مزید منافق بھی کہا ہے اور اپنے فتوئوں میں اس کو اس کے اصلی نام کے غلام قادیانی کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ مرتد و منافق وہ شخص ہے جو کلمہ اسلام پڑھتا ہے۔ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اس کے باوجود اﷲ تعالیٰ یا رسول اﷲﷺ یا کسی نبی یا رسول کی توہین کرتا ہے‘ یا ضروریات دین سے کسی شے کا منکر ہے۔ اس کے احکام کافر سے بھی سخت تر ہیں۔ امام صاحب نے مرزا غلام قادیانی اور منکرین ختم نبوت کو رد ابطال میں متعدد فتویٰ کے علاوہ جو مستقل رسائل تصنیف کئے ہیں‘ ان کے نام یہ ہیں۔  
1۔ جزاء اﷲ عدو بآباہ ختم النبوۃ: یہ رسالہ 1317ھ میں تصنیف ہوا۔ اس میں عقیدہ ختم نبوت پر 120 حدیثیں اور منکرین کی تکفیر پر جلیل القدر ائمہ کرام کی تیس تصریحات پیش کی گئی ہیں۔  
2۔ السوء والعقاب علی المسیح الکذاب: یہ رسالہ 1320ھ میں اس سوال کے جواب میں تحریر ہوا کہ اگر ایک مسلمان مرزائی ہوجائے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی؟ امام احمد رضا نے دس وجوہات سے مرزا غلام قادیانی کا کفر ثابت کرکے احادیث کے نصوص اور دلائل شرعیہ سے ثابت کیا کہ سنی مسلمہ عورت کا نکاح باطل ہوگیا۔ وہ اپنے کافر مرتد شوہر سے فورا علیحدہ ہوجائے۔  
3۔قہرالدیان علی فرقہ بقادیان: یہ رسالہ 1323ھ میں تصنیف ہوا۔ اس میں جھوٹے مسیح قادیان کے شیطانی الہاموں‘ اس کی کتابوں کے کفریہ اقوال سیدنا عیسٰی علیہ الصلواۃ والسلام اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ مریم رضی اﷲ عنہا کی پاک و طہارت اور ان کی عظمت کو اجاگر کیا گیا ہے۔  
4۔ المبین ختم النبین: یہ رسالہ 1326ھ میں اس سوال کے جواب میں تصنیف ہوا کہ ’’خاتم النبین میں لفظ النبین پر جو الف لام ہے‘ وہ مستغرق کا ہے۔ یہ عہد خارجی کا ہے۔ امام احمد رضا نے دلائل کثیرہ واضح سے ثابت کیا ہے کہ اس پر الف لام استغراق کا ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔  
5۔ الجزار الدیان علی المرتد القادیان: یہ رسالہ 3محرم الحرام 1340ھ کو ایک استثنیٰ کے جواب میں لکھا گیا اور اس سال 25صفر المظفر 1340ھ کو آپ کا وصال ہوا۔  
6۔ المعتقد: امام احمد رضا کے مستند افتاء سے ہندوستان میں جو سب سے پہلا رسالہ قادیانیت کی رد میں شامل ہوا‘ وہ ان کے صاحبزادے مولانا مفتی حامد رضا خان نے 1315ئ/1896ء الصارم الربانی علی اسراف القادیانی کی نام سے تحریر کیا تھا جس میں مسئلہ حیات عیسٰی علیہ السلام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور غلام قادیانی کذاب کی مثیل مسیح ہونے کازبردست رد کیا گیا ہے۔ امام احمد رضا نے خود اس رسالے کو سراہا ہے۔مذکورہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ منکرین نبوت اور قادیانیوں کی رد میں امام احمد رضا کس قدر سرگرم‘ مستعد متحرک اور فعال تھے۔ وہ اس فتنے کے ظہور ہوتے ہی اس کی سرکوبی کے درپے تھے۔ اس فتنے کی رد میں امام احمد رضا کی مساعی جمیلہ اس قدر قابل ستائش اور قابل توجہ ہے کہ ہر موافق و مخالف نے انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔  
(روزنامہ جنگ ہفتہ 28جمادی الثانی 1423ھ ‘ 7دسمبر 2002ئ)  
عقیدہ ختم نبوت کے عظیم مجاہد  
حضرت علامہ مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ  
1۔ جنہوں نے 1952ء سے قادیانیوں کے خلاف باقاعدہ کام شروع کیا۔  
2۔ مرزائیوں کے خلاف آل پاکستان مسلم پارٹیز کے بورڈ کے رکن منتخب ہوئے۔  
3۔ 1953ء میں آرام باغ کراچی سے تحریک کا آغاز ہوا تو آپ پیش پیش تھے۔ گرفتاریاں دینے کے لئے نوجوانوںکے جتھے تیار کئے۔  
4۔ 15اپریل 1974ء کو قومی اسمبلی کے پہلے اجلاس میں ختم نبوت کے تحفظ کے لئے آواز بلند کی۔  
5۔ 30جون 1974ء کو قومی اسمبلی میں ایک تاریخی قرارداد پیش کی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔  
6۔ بیرونی ممالک نیروبی‘ ماریشس‘ لاطینی امریکہ‘ سرینام‘ برٹش‘ گیانا ٹرینی ڈاڈ میں قادیانیوں سے مناظرے کئے۔ یہ مناظرے بند کمروں میں نہیں‘ مجمع عام میں ہوئے اور قادیانیوں کو مکمل شکست دی۔ اس کے علاوہ ٹرینی ڈاڈ اور جنوبی امریکہ اور نیروبی میں مرزائی مناظر ذلیل ہوکر کتابیں لے کر بھاگ گئے۔  
7۔ مرزائیوں کے سربراہ مرزا ناصر الدین کو قومی اسمبلی میں شکست دی۔ بالاخر آپ کی کوششوں سے آپ کی پیش کردہ قرارداد پر 7ستمبر 1974ء کو قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔  
8۔ آپ کے مناظروں کو دیکھ کر 400قادیانیوں نے توبہ کی اور اسلام قبول کیا۔ آپ قادیانیوں کے خلاف ننگی تلوار تھے۔

# نماز

پوری نماز پڑھنے کا طریقہ جو قبل ازیں بیان ہوا ہے اس میں کچھ نماز کی شرائط، کچھ فرائض، کچھ واجبات اور کچھ سنن و مستحبات ہیں۔ نمازی کو چاہیے کہ انہیں الگ الگ یاد رکھے تاکہ نماز میں کسی قسم کا نقص واقع نہ ہو۔

**شرائطِ نماز**

نماز کی چھ شرطیں ہیں:

طہارت یعنی نمازی کا بدن اور کپڑے پاک ہوں۔

نماز کی جگہ پاک ہو۔

سترِ عورت یعنی بدن کا وہ حصہ جس کا چھپانا فرض ہے وہ چھپا ہوا ہو۔ مردکے لیے ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے اور عورت کے لیے ہاتھوں، پاؤں اور چہرہ کے علاوہ سارا بدن ستر ہے۔

استقبالِ قبلہ یعنی منہ اور سینہ قبلہ کی طرف ہو۔

وقت یعنی نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا۔

نیت کرنا . دل کے پکے ارادہ کا نام نیت ہے اگرچہ زبان سے کہنا مستحب ہے۔

نماز شروع کرنے سے پہلے ان شرطوں کا ہونا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی.

**فرائضِ نماز**

نماز کے سات فرائض ہیں:

تکبیرِ تحریمہ یعنی اَﷲُ اَکْبَرُ کہنا۔

قیام یعنی سیدھا کھڑے ہوکر نماز پڑھنا۔فرض، وتر، واجب اور سنت نماز میں قیام فرض ہے، بلاعذرِ صحیح اگر یہ نمازیں بیٹھ کر پڑھے گا تو ادا نہیں ہوں گی. نفل نماز میں قیام فرض نہیں۔

قرآت یعنی مطلقاًایک آیت پڑھنا۔ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور سنت وتر و نوافل کی ہررکعت میں فرض ہے جب کہ مقتدی کسی نماز میں قرآت نہیں کرے گا۔

رکوع کرنا۔

سجدہ کرنا۔

قعدئہ اخیرہ یعنی نماز پوری کرکے آخرمیں بیٹھنا۔

خروج بصنعِہِ یعنی دونوں طرف سلام پھیرنا۔

اِن فرضوں میں سے ایک بھی رہ جائے تو نماز نہیں ہوتی اگرچہ سجدئہ سہو کیا جائے۔

**واجباتِ نماز**

نماز میں درج ذیل چودہ امور واجبات میں سے ہیں:

فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں قرآ ت کرنا (یعنی تنہا نماز پڑھنے والے یا باجماعت نماز میں اِمام کے لیے).

فرض نمازوں کی تیسری اور چوتھی رکعت کے علاوہ تمام نمازوں کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔

فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور واجب، سنت اور نفل نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورت یا بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات پڑھنا۔

سورہ فاتحہ کو کسی اور سورت سے پہلے پڑھنا۔

قرآ ت، رکوع، سجدوں اور رکعتوں میں ترتیب قائم رکھنا۔

قومہ کرنا یعنی رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا۔

جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھ جانا۔

تعدیلِ ارکان یعنی رکوع، سجدہ وغیرہ کو اطمینان سے اچھی طرح ادا کرنا۔

قعدۂ اُوليٰ یعنی تین، چار رکعت والی نماز میں دو رکعتوں کے بعد تشہد کے برابر بیٹھنا۔

دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا۔

امام کا نمازِ فجر، مغرب، عشاء، عیدین، تراویح اور رمضان المبارک کے وتروں میں بلند آواز سے قرآ ت کرنا اور ظہر و عصر کی نماز میں آہستہ پڑھنا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْکُمْ وَرَحْمَۃُ اﷲِ کے ساتھ نماز ختم کرنا۔

نمازِ وتر میں قنوت کے لیے تکبیر کہنا اور دعائے قنوت پڑھنا۔

عیدین کی نمازوں میں زائد تکبیریں کہنا۔

نماز کے واجبات میں سے اگر کوئی واجب بھولے سے رہ جائے تو سجدئہ سہو کرنے سے نماز درست ہوجائے گی. سجدئہ سہو نہ کرنے اور قصداً تر ک کرنے سے نماز کا لوٹانا واجب ہے۔

**سننِ نماز**

جو چیزیں نماز میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں لیکن ان کی تاکید فرض اور واجب کے برابر نہیں سنن کہلاتی ہیں۔ نماز میں درج ذیل سنن ہیں:

تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا۔

دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو معمول کے مطابق کھلی اور قبلہ رخ رکھنا۔

تکبیر کہتے وقت سر کو نہ جھکانا۔

امام کا تکبیر تحریمہ اور ایک رکن سے دوسرے رکن میں جانے کی تمام تکبیریں بلند آواز سے کہنا۔

سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھنا۔

ثناء پڑھنا۔

تعوذ یعنی اَعُوْذُ بِاﷲِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھنا۔

تسمیہ یعنی بِسْمِ اﷲِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنا۔

فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا۔

آمین کہنا

ثنا، تعوذ، تسمیہ اور آمین سب کا آہستہ پڑھنا۔

سنت کے مطابق قرآت کرنا یعنی نماز میں جس قدر قرآنِ مجید پڑھنا سنت ہے اتنا پڑھنا۔

رکوع اور سجدے میں تین تین بار تسبیح پڑھنا۔

رکوع میں سر اور پیٹھ کو ایک سیدھ میں برابر رکھنا اور دونوں ہاتھوں کی کھلی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑ لینا۔

قومہ میں امام کا تسمیع یعنی سَمِعَ اﷲُ لِمَنْ حَمِدَہُ اور مقتدی کا تحمید رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنا اور منفرد کا تسمیع اور تحمید دونوں کہنا۔

سجدے میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے، پھر دونوں ہاتھ، پھر ناک، پھر پیشانی رکھنا اور اٹھتے وقت اس کے برعکس عمل کرنا یعنی پہلے پیشانی، پھر ناک، پھر ہاتھ اور اس کے بعد گھٹنے اٹھانا۔

جلسہ اور قعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور سیدھے پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ اس کی انگلیوں کے سرے قبلہ رخ ہوں اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا۔

تشہد میں اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ پر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا اور اِلَّا اﷲُ پر انگلی گرا دینا۔

قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درودِ ابراہیمی پڑھنا۔

درود اِبراہیمی کے بعد دعا پڑھنا۔

پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔

ان سنتوں میں سے اگر کوئی سنت سہواً رہ جائے یا قصداً ترک کی جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی اور نہ ہی سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے لیکن قصداً چھوڑنے والا گنہگار ہوتا ہے۔

**مستحباتِ نماز**

نماز میں درج ذیل اُموربجا لانا مستحب ہے:

قیام میں سجدہ کی جگہ نگاہ رکھنا۔

رکوع میں قدموں پر نظر رکھنا۔

سجدہ میں ناک کی نوک پر نظر رکھنا۔

قعدہ میں گود پر نظر رکھنا۔

سلام پھیرتے وقت دائیں اور بائیں جانب کے کندھے پر نظر رکھنا۔

جمائی کو آنے سے روکنا، نہ رکے تو حالتِ قیام میں دائیں ہاتھ سے منہ ڈھانک لیں اور دوسری حالتوں میں بائیں ہاتھ کی پیٹھ سے۔

مرد تکبیر تحریمہ کے لیے کپڑے سے ہاتھ باہر نکالیں اور عورتیں اندر رکھیں۔

کھانسی روکنے کی کوشش کرنا۔

حَيَ عَلَی الْفَلَاحِ پر امام و مقتدی کا کھڑے ہونا۔

حالتِ قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان کم از کم چار انگلیوں کا فاصلہ ہو۔

**مفسداتِ نماز**

بعض اعمال کی وجہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اسے لوٹانا ضروری ہو جاتا ہے، انہیں مفسداتِ نماز کہتے ہیں۔ نماز کو فاسد بنانے والے اعمال درج ذیل ہیں:

نماز میں بات چیت کرنا۔

سلام کرنا۔

سلام کا جواب دینا۔

درد اور مصیبت کی وجہ سے آہ و بکا کرنا یا اُف کہنا (لیکن جنت و دوزخ کے ذکر پر رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی).

چھینک آنے پر اَلْحَمْدُِﷲِ کہنا۔

کسی کی چھینک پر يَرْحَمُکَ اﷲُ یا کسی کے جواب میں يَھْدِيْکُمُ اﷲُ کہنا۔

بری خبر پر اِنَّاِﷲِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا۔

اچھی خبر پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا۔

دیکھ کر قرآن پڑھنا۔

کھانا پینا۔

عملِ کثیر یعنی ایسا کام کرنا کہ دیکھنے والا یہ گمان کرے کہ وہ نماز میں نہیں ہے۔

نمازی کا اپنے امام کے سوا کسی اور کو لقمہ دینا۔

قہقہہ کے ساتھ ہنسنا۔

**مکروہاتِ نماز**

بعض امور کی وجہ سے نماز ناقص ہو جاتی ہے یعنی نمازی اَصل اَجر و ثواب اور کمال سے محروم رہتا ہے، انہیں مکروہات کہتے ہیں۔ ان سے اِجتناب کرنا چاہیے۔ نماز کو مکروہ بنانے والے امور درج ذیل ہیں:

ہر ایسا کام جو نماز میں اﷲ کی طرف سے توجہ ہٹا دے مکروہ ہے۔

داڑھی، بدن یا کپڑوں سے کھیلنا۔

اِدھر اُدھر منہ پھیر کر دیکھنا۔

آسمان کی طرف دیکھنا۔

کمر یا کولہے وغیرہ پر ہاتھ رکھنا۔

کپڑا سمیٹنا۔

سَدْلِ ثوب یعنی کپڑا لٹکانا مثلاً سر یا کندھوں پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں کنارے لٹکتے ہوں۔

آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی رکھنا۔

انگلیاں چٹخانا۔

بول و براز (پاخانہ / پیشاب) یا ہوا کے غلبے کے وقت نماز ادا کرنا۔ اگر دورانِ نماز میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے اور وقت میں بھی گنجائش ہو تو نماز توڑ دینا واجب ہے۔

قعدہ یا سجدوں کے درمیان جلسہ میں گھٹنوں کو سینے سے لگانا۔

بلاوجہ کھنکارنا۔

ناک و منہ کو چھپانا۔

جس کپڑے پر جاندار کی تصویر ہو اس کو پہن کر نماز پڑھنا۔

کسی کے منہ کے سامنے نماز پڑھنا۔

پگڑی یا عمامہ اس طرح باندھنا کہ درمیان سے سر ننگا ہو۔

کسی واجب کو ترک کرنا مثلاً رکوع میں کمر سیدھی نہ کرنا، قومہ یا جلسہ میں سیدھے ہونے سے پہلے سجدہ کو چلے جانا۔

قیام کے علاوہ اور کسی جگہ پر قرآنِ حکیم پڑھنا۔

رکوع میں قرآ ت ختم کرنا۔

صرف شلوار یا چادر باندھ کر نماز پڑھنا۔

امام سے پہلے رکوع و سجود میں جانا یا اٹھنا۔

قیام کے علاوہ نماز میں کسی اور جگہ قرآنِ حکیم پڑھنا۔

چلتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہنا۔

امام کا کسی آنے والے کی خاطر نماز کو بلا وجہ لمبا کرنا۔

قبر کے سامنے نماز پڑھنا۔

غصب کی ہوئی زمین/مکان/کھیت میں نماز پڑھنا۔

الٹا کپڑا پہن/اوڑھ کر نماز پڑھنا۔

اچکن وغیرہ کے بٹن کھول کر نماز پڑھنا جبکہ نیچے قمیص نہ ہو۔

**نماز توڑنے کے عذر**

بلاعذر نماز توڑنا حرام ہے، البتہ چند حالتوں میں نماز توڑنا جائز ہے مثلاً مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز توڑنا مباح ہے جبکہ جان بچانے کے لیے واجب ہے، خواہ اپنی جان یا کسی مسلمان کی جان بچانا مقصود ہو۔ نماز توڑنے کے لیے بیٹھنے کی ضرورت نہیں بلکہ کھڑے کھڑے ایک طرف سلام پھیر دینا کافی ہے۔